بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

جمادی الثانی ورجب ۱۴۱۸ھ / اکتوبر و نومبر 1997ء

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ـــــــ 33
شمارہ ـــــــ 1، 2
جمادی الثانی ، رجب ۱۴۱۸ھ
اکتوبر / نومبر ۱۹۹۷ء

28-10-97

مدیر اعلیٰ | نگران | مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ | حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ | حافظ راشد الحق سمیع

ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز ـــــــ حافظ راشد الحق سمیع ـــــــ 2
عالم نباتات میں ربوبیت کے جلوے ـــــــ مولانا شہاب الدین ندوی ـــــــ 6
نظریہ پاکستان کا وارث کون؟ ـــــــ (ر) جنرل حمید گل ـــــــ 16
شہیدوں کے خون سے منور سرزمین
افغانستان میں چار دن ـــــــ مولانا انوار الحق ـــــــ 21
علماء دیوبند کے ملفوظات ادب کے آئینہ میں ـــــــ احتشام الحق قاسمی ـــــــ 27
امریکی جیل سے شیخ عمر عبدالرحمن کا کھلا خط ـــــــ ادارہ ـــــــ 39
ذوق پرواز (سفر نامہ یورپ) (آخری قسط) ـــــــ راشد الحق سمیع ـــــــ 41
جنگ آزادی میں علماء حق کا کردار ـــــــ مفتی عبدالغنی ـــــــ 55
تبصرہ کتب ـــــــ ادارہ ـــــــ 63

نوٹ :- یہ رسالہ دو ماہ کے شماروں پر مشتمل ہے۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔

کمپیوٹر کمپوزیٹر :- سجاد خان

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان۔ فون :- (0923)-630340

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے ، بیرون ملک 20 امریکی ڈالر

پبلشر۔ مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

ع دیدہ و دل فرش راہ

عالم اسلام کے سرمایہ افتخار ، مفکر اسلام ، عظیم داعی ،

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی پاکستان آمد

برصغیر پاک وہند اور عالم اسلام کے بطل جلیل ممتاز ویکتا نابغہ روزگار ہشت پہلو شخصیت عظیم داعی ادیب بے بدل ، صدہاکتب کے مصنف ، مبلغ اسلام ، رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ ، رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ، ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو ، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور اسی طرح بیسویں عرب و عجم کے مؤقر اداروں کے سرپرست مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ان دنوں پاکستان کی سرزمین کو اپنے قدوم ممینت لزوم سے سرفراز فرمارہے ہیں ۔ اہل پاکستان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ برسوں بعد اس سرزمین کو رونق بخش رہے ہیں ۔ حضرت علی میاں مدظلہ کی تو ویسے بھی تمام پاکستان اور اہل پاکستان اور تمام مدارس کیساتھ تعلقات ہیں ۔ لیکن اکوڑہ خٹک اور دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ آپ کے خصوصی تعلق اور نسبت کے کئی وجوہ ہیں ۔ وہ وجوہ علمی دینی اور اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی بھی ہیں ۔ حضرت کا یہ خصوصی تعلق صدیوں پر محیط ایک تاریخی تسلسل کا حصہ ہے ، کیونکہ آپکے اسلاف ؒ حضرات شہیدین مکرمین (شاہ اسماعیل شہید ؒ اور سید احمد شہید ؒ) نے مسلح جہاد کے آغاز کیلئے اسی مقام کا انتخاب فرمایا تھا ۔ خانوادہ ولی اللھی ؒ کے ان بہادر اور غیور وذی شہامت کا روان دعوت وعزیمت باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے ہزاروں میل پیدل ہندوستان سے سفر کرکے درۂ بولان ، غزنی ، قندہار سے ہوتے ہوئے براستہ کابل و درہ خیبر کو عبور کرتے ہوئے وادی پشاور میں داخل ہوئے اور یہاں اکوڑہ خٹک میں عالم کفر کیخلاف ایک تاریخی جنگ لڑی اور حق وباطل کا پہلا معرکہ اسی خطہ ارض پر نمودار ہوا ۔ انہی ریگزاروں اور دشت وبیاباں میں یہ قدسی صفات نفوس خیمہ زن ہوئے اور پھر سر فروشی جاں نثاری ، جاں سپاری اور بہادری کی ایک عجیب طرح نو ڈالی ، دارالعلوم حقانیہ کی سرزمین وہ مشہد مقدس ہے جہاں ان کے ساتھیوں کے پاک انفاس فضامیں تحلیل ہوئے اور ان کی پاکیزہ خون سے یہ زمین لالہ زار ہوئی ۔ اور رفتہ رفتہ یہی خون رنگ لاتا ہوا ایک عظیم گلشن کی صورت میں آج دنیا پر آشکارا ہے جوکہ علم وعرفان اور جہاد عزیمت کی ایک عظیم وبارعب چھاونی ہے ۔ آج حضرات شہیدین ؒ کے مقدس مشن ان کے خوابوں ، خواہشوں ، تمناؤں اور آرزوں کی تکمیل اسی مادر علمی کے فرزند یعنی تحریک طالبان کے زعماء فضلاء حقانیہ افغانستان میں ادا کررہے ہیں ۔ یہ تحریک شاہ ولی اللہ ؒ کے افکار

ونظریات ، تحریک ریشمی رومال اور تحریک آزادی ہند کے مقاصد کا خلاصہ اور حقیقی تعبیر ہے اور حضرت علی میاں مدظلہ جوکہ اسی خاندان کی مقدس تاریخی روایت کے امین اور قابل صد افتخار فرزند ہیں ۔ آج وہ اپنے ان اسلاف کے درخشندہ کارہائے نمایاں کی ایک جھلک اپنی چشم بصیرت افروز سے اسکا مشاہدہ فرمائیں گے ۔ عرصہ درازقبل آپ بمع اپنے محبوب برادرزادے جناب محمد الحسنیؒ مدیر البعث الاسلامی کے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے ۔ اور دارالعلوم حقانیہ میں اپنے دست مبارک سے احاطہ سید احمد شہیدؒ کا سنگ بنیاد رکھاتھا ۔ الحمدللہ آج وہ احاطہ اپنے پوری آب وتاب کے ساتھ مکمل ہوچکا ہے ۔ حضرت مدظلہ کی آمد کی عنبرزسن کر یہاں دارالعلوم حقانیہ میں فرح وانبساط کی ایک لہر دوڑ گئی ہے اور کیوں نہ ہو ۔ موجودہ دور میں آپ ہی کی ذات عالم اسلام کیلئے عظیم سرمایہ ہے اور عرب وعجم میں آپکی ذات مبارک سے استفادہ کیا جارہا ہے ۔ آپکی شخصیت کے اتنے زیادہ پہلو ہیں اور اتنی جہات ہیں اور وہ تاریخی خدمات ہیں جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائینگی ۔ آپکی تصنیفات ، تالیفات اور مسلمانوں کیلئے لازوال خدمات ناقابل فراموش ہیں ۔ آپکی ذات اقدس کے بدولت عالم عرب وعالم اسلام کو دوبارہ حیات نو ملی ۔ ایک نیاولولہ تازہ ان کو عطا ہوا ۔ اور آج دنیا بھرمیں کئی اسلامی تحریکات پر آپکی فکر چھائی ہوئی ہے ۔ آپکی ذات ایک چشمہ فیض کی مانند ہے جس سے لاکھوں تشنگان علم ومعرفت اپنی اپنی پیاس بجھا رہے ہیں ۔ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ عافیت ہمارے سروں پر ہمیشہ کیلئے قائم ودائم رکھے ۔ ہم دیدہ دل فرش راہ کیے ہوئے آپ کے منتظر ہیں ۔ ہمارے قلوب کے علم آپکی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہیں ۔　ع　اے آمدنت باعث آبادی ما

تحدیث نعمت

الحمدللہ ماہنامہ " الحق " نے اپنی ۳۳ ویں بہار کی خوشبوؤں سے خود بھی معطر ہونے کے ساتھ ساتھ قارئین کے مشام روح وجاں کو بھی معنبر کررہا ہے ۔ گذشتہ ۳۲ سال سے یہ شمع حق اسی طرح فروزاں اور درخشاں رہی ہے ۔ جس کی ضیاء پاشیوں کے سامنے شمس وقمر کی تابناکیاں اور مہ ومشتری کی تنویریں ماند رہیں ۔ تاریخ صحافت ، علمی ، دینی ، ادبی ، اسلامی جہاد میں الحق نے برصغیر اور عالم اسلام کیلئے جو زرین خدمات دیں سرانجام دیں ہیں اس پر " الحق " کا ۳۲ سالہ شاندار ریکارڈ گواہ ہے ۔ یہ رسالہ اس وقت شروع کیا گیا تھا جب برصغیر پاک وہند اور عالم اسلام میں گنتی کے چند معیاری جریدے تھے ۔ بے بضاعتی ، بے سروسامانی اور وسائل کے عدم دستیابی کے باوجود اکوڑہ خٹک جیسے دور افتادہ گاؤں سے " الحق " کا نکلنا اور پھر بعد میں مستقل مکتب فکر کا حامل ہونا ۔ تو یہ سب کچھ تائید

ایزدی سے ہوا۔ والحمدللہ علی ذالک۔ اس عرصہ دراز میں پرورش لوح وقلم کرتے ہوئے "الحق" نے اپنے نام اور اپنے ادارے کی لاج رکھتے ہوئے اور قرآن وسنت کی بالادستی قائم رکھتے ہوئے اور مشاہیر کے افکار ونظریات وتعلیمات کے ارکن کی حیثیت سے نمائندگی کرتا رہا۔ یوں تو مجلہ "الحق" نے عالم اسلام کی جملہ اسلامی تحریکات کی پرزور تائید و حمایت کی، لیکن جہاد افغانستان اور تحریک طالبان کیلئے اس کی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن قارئین کرام کو معلوم رہنا چاہیئے کہ "الحق" نے انتہائی نامساعد حالات میں اپنے وجود کو برقرار رکھا ہے اور اب چونکہ اس کی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں، نہ اشتہارات کی صورت اور نہ ہی خاطر خواہ خریداروں کی شکل میں۔ اس لیے ہم اپنے معزز قارئین سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ اس آواز حق اور صدق وصفا کی اس قندیل کو روشن وقائم رکھنے کیلئے ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔

دینی مدارس کے خلاف حکومتی متشددانہ کاروائیاں

موجودہ حکومت جوکہ "ماشاء اللہ" نظام خلافت راشدہ کی نام لیوا اور "علمبردار" ہے۔ نے آتے ہی امریکہ کی خوشنودی کی خاطر پاکستان میں دینی مدارس اور دینی ومذہبی شخصیات کیخلاف کاروائیاں شروع کردی ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے مداخلت فی الدین کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ جمعہ کی تعطیل کو منسوخ کرکے اسکے بجائے اتوار کو عام تعطیل کا دن مقرر کیا، اب دینی مدارس اور خانقاہوں پر طبع آزمائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ "بھاری مینڈیٹ" وغیرہ جوکہ ان کو دلوایا گیا۔ امریکہ کے اشارے پر امریکی عزائم اور سامراجی ارادوں کی تکمیل کیلئے ان کی حکومت معرض وجود میں لائی گئی، تاکہ امریکہ پاکستان میں بھی ترکی، الجزائر، مصر کی طرح اپنے مقاصد حاصل کرسکے لیکن ہم انکو خبردار کرتے ہیں کہ اپنے ماضی کے حکمرانوں کے انجام سے ڈرو، جنہوں نے دینی مدارس پر بری نظر ڈالی، تو اللہ نے انکو عبرتناک انجام سے دوچار کیا۔ یہ انجام آپکی حکومت کا بھی ہوسکتا ہے۔

****

فلسطینی رہنما شیخ احمد یسین کی رہائی

تحریک آزادی فلسطین حماس کے عظیم مجاہد معمر رہنما جن کی زندگی کا اکثرو بیشتر حصہ بیت المقدس اور اپنی سرزمین فلسطین کی آزادی کی خاطر پس دیوار زنداں گزرا۔ اور اب مجبوراً حماس کی بڑھتی ہوئی گوریلا مجاہدانہ کاروائیوں اور خودکش بم دھماکوں کے خوف سے اور اردن کے شاہ حسین کی مداخلت کیوجہ سے صیہونی اور یہودی گماشتے انکو رہا کرنے پر مجبور ہوگئے، اب پی ایل او کے سربراہ یاسرعرفات بھی حماس اور اسکے نڈر رہنما کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے خوف سے منافقانہ رو

اختیار کرتے ہوئے انکی چوکھٹ پر حاضری دینے پر آتے ہیں۔ہماری ساری ہمدردیاں اور دعائیں ان مجاہدین کے ساتھ ہیں، جوکہ قبلہ اول اور بیت المقدس کی آزادی اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے جہاد کے ذریعہ ممکن سمجھتے ہیں، نہ کہ مذاکرات کے ڈھونگ سے۔اللہ سے دعا ہے کہ بیت المقدس فلسطین، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، افغانستان، برما اور دوسرے وہ خطے جہاں پر مسلمان مقہور ہیں ان کی مدد فرمائے۔ اور انکو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ (آمین)

****

متنازعہ موضوع پر مزید بحث سے معذرت

ماہنامہ "الحق" نے پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے پر ماہ اگست کا شمارہ خصوصی نمبر کے طور پر شائع کیا تھا، اور اسمیں مختلف مکاتب فکر سے مقالہ جات اور مضامین طلب کیے تھے، چنانچہ اسی حوالے سے مختلف مضامین ہمیں موصول ہوئے، اور ہم نے خاص نمبر میں شائع کیے۔ اسکے مدح اور ردعمل کے طور پر ہمیں خطوط کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا اور روزانہ ڈاک میں درجنوں خطوط ہمیں موصول ہوتے رہےاور پاکستان میں ایک خاص قسم کی لابی نے اس نمبر کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کردیا، بعض اخبارات نے اسکے خلاف تمام اخلاقی ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے مضامین وکالم شائع کیے۔ لیکن انکے بارے میں ہم اپنا حق محفوظ رکھتے ہیں اور ہم اتنی پستی میں بھی نہیں آتے جو ہمارے اخباری اور صحافتی بزرجمہروں نے اختیار کی ہے۔ ادارہ جناب ابو سلمان شاہجہان پوری اور اسی طرح دیگر حضرات جناب علامہ طالب ہاشمی ومتعدد علماء اور زعماء سے معذرت خواہ ہے کہ انکے تازہ مقالات مزید بدمزگی سے بچنے کیلئے فی الحال شائع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ دونوں جانب ہمارے ہی اکابرین ہیں۔ لہذا اس موضوع پر ہم فی الحال کچھ شائع کرنے سے معذور ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرماتے رہینگے۔

گذشتہ دنوں مدیر "الحق" حافظ راشد الحق، جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے مشورہ پر افغانستان ایک ہفتے کے دورے پر کابل تشریف لے گئے، اور وہاں تحریک طالبان کے زعماء خصوصاً افغانستان کے حکمران اور امیرالمومنین کے معاون خاص جناب ملا محمد ربانی سے ملاقات کی، اوران سے تفصیلی بات چیت اور انٹرویو کیا۔ اسی طرح وزیرخارجہ ملا محمد حسن اور وزیر سرحدات جناب مولانا جلال الدین حقانی اور رئیس تشریفات مولانا حفیظ اللہ حقانی اور دیگر وفاقی وزراء وعمائدین اور مجاہدین سے ملاقاتیں کیں۔انکے ساتھ وفد میں مولانایوسف شاہ، علامہ ریاض رحمان یزدانی، ڈاکٹر رشید ارشد، انجینئیر آصف اورڈاکٹر ظہیر انکے ہمراہ تھے۔دورے کے تفصیلات وانٹرویوزانشاء اللہ جمعیت علماء اسلام کے آرگن "ترجمان دین" میں ملاحظہ فرمایں۔جو بحمدللہ ازسرنو اپنی اشاعت کا آغاز کرچکا ہے۔

(ادارہ)

مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ،
چیئرمین دارالشریعہ، بنگلور (انڈیا)

عالم نباتات میں ربوبیت کے جلوے
اور بعض ناحل حیاتیاتی معمے

اللہ تعالیٰ سارے جہاں کا رب (کارساز) ہے اور اس کی ربوبیت اس عالم رنگ وبو اور اس کے تمام مظاہر کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ربوبیت سے مراد خالق کائنات کی وہ کارگزاریاں یا کارسازیاں ہیں جو مخلوق پروری کے طور پر عالم مظاہر میں جاری وساری ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح عالم نباتات وحیوانات کا رب ہے اسی طرح وہ عالم جمادات وسماوات کا بھی رب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے:

"وھو رب کل شیٔ" وہ ہر چیز کا رب ہے۔ (انعام: ۱۶۴)

"رب السمٰوت والارض ومابینھما ورب المشارق": وہ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے درمیانی (تمام) مظاہر اور مشرقوں (سورج کے مختلف مقامات طلوع) کا بھی رب ہے۔ (صافات: ۵)

غرض اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پوری مادی کائنات پر محیط ہے اور یہاں کی کوئی بھی چیز یا کوئی بھی مظہر فطرت آزاد نہیں، بلکہ وہ مادی قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ چاہے وہ ایک ننھا سا جوہر (ایٹم) ہو یا کرۂ سماوی، کوئی پیڑ پودا ہو یا حیوان مطلق، مادہ سے متعلق ہو یا انرجی سے، حرکت سے تعلق رکھتا ہو یا سکون سے۔

ربوبیت کے چار عناصر:-

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ربوبیت مخلوق پروری کے سلسلے میں رب کی کارگزاریوں کا نام ہے اور اس کے چار عناصر ہیں جو یہ ہیں (۱). تخلیق، یعنی اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا (۲). تسویہ، یعنی مادی اشیاء کا نظام جسمانی درست اور موزوں بنانا (۳). تقدیر، یعنی تمام مخلوقات کے لیے طبیعی ضوابط مقرر کرنا (۴). ہدایت، یعنی ہر مخلوق کو اس کے مخصوص طبیعی ضابطہ کے مطابق چلنے کی

توفیق بخشنا۔ چنانچہ ربوبیت کی یہ چاروں خصوصیات حسب ذیل آیات میں بیان کی گئی ہیں۔
"سبح اسم ربک الاعلی۔ الذی خلق فسوی۔ والذی قدر فھدی" اپنے رب برتر کے گن گاؤ اپنے رب برتر کے جس نے جس نے (اس کائنات کی تمام چیزوں کو) پیدا کیا، پھر (ہر چیز کا جسمانی نظام) درست کیا۔ وہ جس نے (ہر چیز کا ایک مخصوص طبیعی ضابطہ) مقرر کیا۔ پھر (ہر ایک کو اس ضابطہ کے مطابق چلنے کی) توفیق بخشی۔ (اعلیٰ: ۱۔۳) یہ بڑی جامع آیات ہیں جو حددرجہ مجمل ہونے کے باوجود اپنے معنیٰ ومفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ یہ چار ربانی کلیات ہیں جو پوری کائنات اور اس کی تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس جہان آب وبا وفاک کے تمام مظاہر خدائی ربوبیت کے نقوش ہیں اور مادی اشیاء کو علی وجہ البصیرت سمجھنے کے لیے ان چار نقطہ ہائے نظر سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے جو قرآنی زاویہ نظر ہے۔ اس کے نتیجے میں خلاق عالم کی صنعت وکاریگری کے نقوش ہمارے سامنے آتے ہیں اور اس کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صانع کی عظمت اس کی مصنوعات کی جانچ پڑتال کے بعد ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

مطالعۂ ربوبیت کی اہمیت:۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وکاریگری کا صحیح حال ہم کو حیوانات ونباتات کی دنیا میں ملتا ہے، جو ایک عامی اور عالم دونوں کے لیے بصیرت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ یعنی ایک عالم قدرت خداوندی کی صناعیوں اور گلکاریوں کے مشاہدہ سے جس طرح حیران وششدر ہوجاتا ہے، اسی طرح ایک عامی بھی دنیائے حیات کی رنگارنگیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، خواہ اس کا مطالعہ کتنا ہی سطحی کیوں نہ ہو، حیوانات و نباتات کے اختلافات اتنے گوناں گوں ہیں کہ ان کے ملاحظہ ومشاہدہ سے انسانی عقل بالکل چکراجاتی ہے اور ایک کرشمہ ساز ہستی کا وجود تسلیم کئے بغیر ان انواع واقسام کی مخلوقات اور ان میں کارفرما حیران کن نظاموں کی توجیہہ عقلی اعتبار سے ممکن نظر نہیں آتی۔ چنانچہ انواع حیات کا منظم مطالعہ آج جس علم کے تحت کیا جاتا ہے اسے حیاتیات یابیالوجی کہتے ہیں، اور یہ ایک اہم سائنسی علم ہے۔ اس علم کے تحت حیوانات ونباتات کا مطالعہ کرنے سے اللہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو علی وجہ البصیرت سمجھنا آسان ہوجاتاہے۔

اس علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کی جو اولین آیات نازل ہوئیں وہ مخلوقات الہیٰ اور خاص کر تخلیق انسان کے مطالعہ ومشاہدہ سے متعلق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: "اقرا باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق"۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے

جس نے (تمام چیزوں کو) پیدا کیا۔ اس نے انسان کی تخلیق (جونک نما) کیڑے سے کی۔ (علق: ۱-۲)

چنانچہ اس پہلی وحی میں رب کا اولین تعارف خالق کی حیثیت سے کراتے ہوئے مخلوقات الہیٰ کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یعنی خدا کی ربوبیت کی حقیقت اگر سمجھنا مقصود ہے تو پھر اس کی مخلوقات کا مطالعہ کرنا چاہیئے، کیونکہ ایک صانع کی عظمت و برتری کا صحیح حال اس کی مصنوعات کے جائزہ کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ نیز مشاہدہ سے جو علم وعرفان حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور ایک پختہ ایمان والا شخص فکر ونظر کی وادیوں میں بھٹک نہیں سکتا اور الحادولادینیت کے تھپڑے اس کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کرسکتے۔ انہی اغراض ومقاصد کی خاطر قرآن حکیم میں جابجا تخلیقات الہیٰ اور ان کے نظاموں کا گہری نظر سے مطالعہ ومشاہدہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

نباتاتی مظاہر میں دلائل ربوبیت :-

اس وقت میرا موضوع بحث چونکہ نباتات ہے اس لئے میں قرآنی نقطۂ نظر سے نباتات کے بعض پہلوؤں کو اجاگرکروں گا، جن کے ملاحظہ سے خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کے حیرت انگیز نقوش سامنے آتے ہیں اور اس کی بے مثال قدرت، خلاقیت، حکمت تخلیق، مخلوق پروری اور اس کی رحمانیت۔ یعنی مخلوقات پر بے انتہا شفقت ومہربانی کے جلوے نظر آتے ہیں، جو اہل ایمان کیلئے ایمان افروز اور منکرین حق کے لیے سبق آموز ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی صراحت کے مطابق اس عالم آب وگل کی ہرچیز میں خدا کے وجود، اس کی وحدانیت اور اسکی خلاقیت وربوبیت کے نشانات ودلائل موجود ہیں، جن سے الحاد ومادیت کارد اور خداپرستی کا اثبات ہوتا ہے۔

"ان فی اختلاف الیل والنھار وماخلق اللہ فی السمٰوت والارض لایات لقوم یتقون"

رات اور دن کے ہیرپھیر میں اور جو کچھ اللہ نے زمین اور اجرام سماوی میں پیدا کر رکھا گیا ہے، ان (تمام مظاہر) میں ڈرنے والوں کے لئے (وجود خداوندی کی) نشانیاں موجود ہیں (یونس: ۶)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی مخلوق پروری کا ایک مظہراتم وہ قسم ہاقسم کے نباتات (پیڑپودے) ہیں جن کو اس نے دھرتی کے سینے پر پھیلا رکھا ہے اور ان نباتات کے مختلف مظاہر اور ان کی خصوصیت پر غور وخوض کرنے والوں کیلئے قدرت خداوندی کی نشانیاں، قوانین قدرت کے روپ میں رکھ دی گئی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"ھوا الذی انزل من السماء ماء لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ تسیمون۔ ینبت لکم بہ الزرع والزیتون

والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ۔ ان فی ذلک لآیۃ لقوم یتفکرون " وہی ہے جس نے بلندی سے تمھارے لئے پانی برسایا ، جس میں سے کچھ تمھارے پینے کے لئے اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جن میں تم (اپنے جانوروں کو) چراتے ہو اور اسی پانی سے وہ تمھارے لئے (طرح طرح کی) کھیتیاں ، زیتون ، کھجور ، انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے ۔ غور کرنے والوں کے لئے یقیناً اس باب میں (وجود خداوندی اور اسکی ربوبیت کی) ایک بڑی نشانی موجود ہے ۔ (نحل : ۱۰ ۔ ۱۱)۔

عجائبات قدرت اور قرآن حکیم کا اعجاز :۔

واقعہ یہ ہے کہ نباتاتی زندگی کے بہت سے طبیعی وحیاتیاتی مظاہر ہیں ، جن کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے لیے سائنسی علوم سے واقفیت ضروری ہے ۔ چنانچہ نباتات کا منظم مطالعہ جس علم کے تحت کیا جاتا ہے اسے علم النبات یا نباتیات (باٹنی) کہاجاتا ہے ۔ جو حیاتیات (بیالوجی) کی ایک شاخ ہے اور اس علم کی رو سے نباتاتی اعمال وافعال اور ان کے خصائص سے متعلق بے شمار اسرار وحقائق سامنے آچکے ہیں جو " دلائل ربوبیت " میں شمار کئے جاسکتے ہیں اور انہیں " عجائبات قدرت" کا بھی نام دیا جاسکتا ہے ۔ ان کے ملاحظہ کیلئے نگاہ عبرت بین کی ضرورت ہے ورنہ ایک کور باطن کیلئے یہ سارے اسرار وحقائق بالکل بے معنیٰ یا " اتفاقات " کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں ۔

بہرحال قرآن حکیم میں نباتاتی مظاہر اور ان کے اسرار و حقائق کے خدا پرستانہ نقطۂ نظر سے مطالعہ وجائزہ کی غرض سے چند اصول وکلیات ایسے مذکور ہیں جن کی روشنی میں اگر ان مظاہر پر سائنسی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو ربانی اصول وکلیات کی صداقت واضح ہوجاتی ہے اور یہ اصول وکلیات اتنے جامع ہیں کہ ان کو چودہ سو سال پہلے پیش کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں معلوم ہوتی ، بلکہ یہ اصول وہی پیش کرسکتا ہے جس کا علم تمام اشیائے عالم اور ان کی اندرونی مشنری کا احاطہ کئے ہوئے ہو اور ان کے ایک ایک کل پرزے اور اس کی کارکردگی سے بخوبی واقف ہو ۔ غرض یہ اصول نباتاتی اسرار ومعارف کے سربمہر خزانوں کی چابیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو علوم ومعارف کے بند دروازوں کو کھول دیتے ہیں ۔ ان ابدی صداقتوں کے ملاحظہ سے قرآن عظیم کا ایک نیا اعجاز سامنے آتا ہے کہ وہ شخص اپنی فصاحت وبلاغت ہی کے لحاظ سے معجزہ ہے اور اس کی نظیر پیش کرنے سے پورا انسانی لٹریچر عاجز وبے بس ہے اور پھر اس سلسلے میں ایک دوسری عظیم حقیقت یہ ہے کہ وہ محض ایک جامع ومانع کلام ہی نہیں بلکہ اٹل علمی صداقتوں کا بھی حاصل ہے ۔ یعنی اس کے دعوے ایسے اٹل علمی حقائق پر مبنی ہوتے ہیں جن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں

ہو سکتی ، خواہ انسانی علوم کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلیں ، بلکہ وہ علوم وفنون کے مغز اور لب لباب کو جو صدیوں کے غور وفکر اور تجربات کا نتیجہ ہوتا ہے ، قبل ازوقت علمی صداقتوں کے روپ میں پیش کرتا ہے اور وہ بھی اس انداز میں کہ ان کے ذریعہ مادہ پرستوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا مقصود ہو ۔ گویا کہ یہ حقائق فکرونظر کے بند دریچوں پر دستک دینے والے ہیں ۔ بہر حال اس موقع پر علم النباتات کی روشنی میں بعض قرآنی حقائق یا اس کی ابدی صداقتوں کا ایک مختصر جائزہ لینا مقصود ہے جن سے خدائے تعالیٰ کی خلاقیت اور اس کی قدرت وربوبیت ثابت ہوتی ہے اور مادیت کا رد وابطال ہوتا ہے ۔

مردہ عناصر سے زندگی کون برآمد کرتا ہے ؟:-

تو اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ طویل سائنسی تحقیقات وتجربات کی روشنی میں یہ حقیقت پوری طرح ثابت ہوچکی ہے کہ زندگی کا ظہور مردہ عناصر یا غیر جاندار سے نہیں ہوسکتا ، بلکہ " زندگی " صرف زندہ اشیاء میں سے وجود میں آسکتی ہے ۔ چنانچہ اس باب میں مشہور فرنچ سائنس دان پاسچر کے تجربات دنیائے سائنس میں ایک اٹل صداقت کے طور پر مسلم ہیں ۔ واضح رہے زندگی کی اکائی ایک خلیہ (سیل) ہے ، جسمیں ایک لیسدار اور متحرک مادہ بھرا رہتا ہے ۔ اسے اصطلاح میں پروٹوپلازم کہاجاتا ہے ۔ اور یہ مادہ حیوانات ونباتات دونوں میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے ۔ یعنی حیوانات ونباتات دونوں کے اجسام ننھے ننھے خانوں کا مجموعہ ہوتے ہیں ، جن کو خلیات (CELLS) کہا جاتا ہے ۔ اور یہ پروٹوپلازم سے بھرپور ہوتے ہیں ۔ پروٹوپلازم ذی روح مادہ ہے اور اسیمیں زندگی کی تمام " سرگرمیاں " جاری رہتی ہیں اور تماشائے ربوبیت کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر پوری دنیائے سائنس حیران ہے کہ مردہ عناصر سے پروٹوپلازم کس طرح وجود میں آگیا ؟ ازخود حیات کا نظریہ رکھنے والے اس معمہ کو حل نہیں کرسکتے اور نہ کرسکتے ہیں ۔ لہذا بعض سائنس دانوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ زندگی کا ظہور ہمارے کرۂ ارض پر نہیں ہوا بلکہ کسی دوسرے سیارے پر ہوا ہوگا ۔ اور وہاں سے وہ بعض شہابوں کے کندھوں پر سوار ہوکر ہماری زمین پر آئی ہوگی ، مگر اس خیال آرائی سے جو اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے ، یہ معمہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہوجاتا ہے کہ خود دوسرے سیارے پر زندگی کا ظہور آخر کس طرح ہوا ہوگا ؟ لہذا سائنسی نقطہ نظر سے یہ ایک ایسا راز سربستہ ہے جسکی عقدہ کشائی سے عقل انسانی عاجز وبے بس نظر آتی ہے ۔ اب لامحالہ ایک خلاق ہستی کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے جو ایک " رب عظیم " کی حیثیت سے اس عالم آب

وخاک پر حکمرانی کر رہی ہے، یہی خدا ہے۔ چنانچہ اس عظیم حقیقت کا انکشاف قرآن عظیم میں اس طرح کیا گیا ہے، جو ذہن انسانی کو جھنجوڑنے اور اسکی گرہوں کو کھولنے والی ہے۔

"ان اللہ فالق الحب والنویٰ۔ یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی۔ ذلکم اللہ فانی توفکون"

اللہ (وہ ہے جو زمین میں بوئے گئے) دانے اور گھٹلی کو پھاڑ دیتا ہے وہ بے جان چیز (عناصر) سے جاندار چیز (پروٹوپلازم)اور جاندار چیز سے بے جان چیز (جیسے پرندوں کے انڈے) برآمد کرتا ہے۔ یہی ہے اللہ تو تم کہاں بہکے جارہے ہو (انعام: ۹۵)

اس اصول کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اور مختلف اسالیب میں دہرایا گیا ہے۔

معمہ ہائے حیات:-

ظاہر ہے کہ مردہ عناصر یا چند بے جان ذرات (جیسے آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، کیلشیم، فاسفورس، کلورین، سلفر، پوٹاشیم اور سوڈیم وغیرہ جو پروٹوپلازم کے اندر پائے جانے والے عناصر ہیں) ان کے باہمی ملاپ سے زندگی پیدا کرنا ہی ایک معجزۂ ربوبیت ہے۔ مگر اس سے بھی بڑا معجزہ یہ ہے کہ خلاق عالم باربار اس عمل کا اعادہ کرکے عقل انسانی کو مبہوت وششدر کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ زندہ اشیاء (حیوانات ونباتات) سے مردہ اشیاء جیسے گھٹلی، بیج اور انڈے پیدا کرکے پھر ان مردہ چیزوں کے اندر زندگی ڈال دیتا ہے۔ کسی پرندے کے انڈے یا کسی درخت کے ایک ننھے سے بیج کے اندر سے پھر ہوبہو وہی پرندہ یا ہوبہو وہی درخت نکال کر اپنی جادوگری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نیز اسی طرح دودھ پلانے جانور اپنی ہی نوع کے بچوں کو جنم دیتے ہیں اور یہ عمل گویا کہ ایک زندہ چیز سے دوسری زندہ چیز کو وجود میں لانا ہے جو اور بھی زیادہ پراسرار ہے۔ جیسا کہ اس کا حال علم جنین کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔

سائنسی نقطہ نظر سے کہا جاتا ہے کہ حیوانات ونباتات کے خلیوں میں جین اور کروموسوم نامی ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو نوعی اور وراثتی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ انہی کے ذریعہ ایک نسل کی خصوصیات دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہیں، مگر اس نظریہ سے کسی جسم کے خود کارانہ عمل کی توجیہہ نہیں ہوتی کہ کسی جسم کے اعضاء یا کسی درخت کی ڈالیاں، پتے، پھول اور پھل سب کے سب اپنی نوعی خصوصیات کو لے کر آپ سے آپ کس طرح نمودار ہوجاتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کی پتیوں کی بناوٹ میں نہ کوئی فرق آتا ہے اور نہ اس کے پھولوں اور پھلوں میں۔ نہ رنگوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ اس کے خواص میں۔ نہ اس کے اجزا وعناصر میں کوئی

اختلاف رونما ہوتا ہے، نہ اس کے ذائقہ میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ گویا کہ کوئی اس کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور ہر ایک کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم ایسا کرو اور تم ایسا کرو۔ چنانچہ ڈالیوں کو حکم ہے کہ تم اتنی بلندی تک جاؤ اور اس قدر پھیلو۔ پتوں کو حکم ہے کہ تم فلاں فلاں شکل اختیار کرو اور فلاں فلاں خدمات انجام دو۔ نسیجوں کو حکم ہے کہ تم فلاں فلاں سمیت میں اپنی پیش قدمی جاری رکھو اور فلاں فلاں اعضاء بناؤ۔ پھولوں اور پھلوں کو حکم ہے کہ تم اتنے اتنے عناصر لے لو اور اس اس طرح کا رنگ وذائقہ اختیار کرو۔

غرض ہر پیڑپودا بالکل اسی انداز میں نشوونما پاتا ہے جو اس کے " پیشروؤں " کی خصوصیات کے مطابق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایک طلسم ہوشربا سے کسی بھی طرح کم دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں خود ایک سائنس دان اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ " یہ کہنا کہ جسم کی ساخت کو جینز کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے اور پھر سائنٹفک نقطۂ نظر سے اس کی تشریح کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے بہ نسبت یوں کہنے کہ جسم کو خدا کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے "۔

To say that the body form is controlled by the gemes is hardly illuminating scientifically than to say that it is controlled by God

(The Encyelopedia of Ignorance, P - 252, Oxford, 1978)

واقعہ یہ ہے کہ جین اور کروموسوم کی دنیا انتہائی پیچیدہ ہے، جسے سائنسدان اب تک پوری طرح سمجھ نہیں پائے ہیں۔ چنانچہ جین کی تشکیل جس مادہ سے ہوتی ہے اسے ڈی این اے (DNA) کہا جاتا ہے اور یہ چار قسم کے ہوتے ہیں، مگر ان مادوں کے اجتماع کی صحیح کیفیت اب تک نامعلوم ہے جیسا کہ ایک مشہور مصنف تحریر کرتا ہے :

It was still not known, however, exactly how these four kinds of building units are joined to from DNA .(Human Genetics, P- 209, by Rothwll, 1978).

ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ بغیر ڈی این اے کے زندہ اجسام دوبارہ وجود میں نہیں آسکتے اور زندگی شروع نہیں ہوسکتی۔ تو اب سوال یہ ہے کہ ڈی این اے کس طرح بنا اور زندگی کیسے وجود میں آئی ؟ تو اس سوال کے جواب میں سائنس ہمیشہ ہچکچاتی ہے، کیونکہ اصل زندگی کا رشتہ مذہبی عقائد کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ مضبوطی کے ساتھ بندھا ہوا ہے جتنا کہ اصل ارض یا اصل

کائنات کا رشتہ۔

لہذا اس سلسلے میں اب تک جھجک آمیز اور معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔

Without DNA ,living organisms could not reproduce, and life as we know it could not have started all the substances of living matter- enzjmes and all the others, whose production is catalysed by enzjmes, depend in the last analysis on DNA. How then, did DNA ,and life ,start ? This is a question that secience has always hesitated to ask , because the origin of life has been bound up with religious beliefs even more strongly than has the origin of earth and universe. It is still dealt with only hesitantly and apologetically.(Asimo's Guid to Science, Vol. 2, PP. 172-173, 1978).

عمل تخلیق کون دہراتا ہے ؟:-

بہرحال مادہ حیات، جین اور کروموسوم سے متعلق یہ تمام سرگرمیاں خلیوں (سیل) میں واقع ہوتی ہیں اور ہر خلیہ اپنی جگہ پر ایک مکمل فیکٹری کی حیثیت رکھتا ہے جو صرف خوردبین سے دکھا جاسکتا ہے۔ مگر انسان اب تک اس ننھی سی چیز کی حقیقت سمجھنے اور اس کے اسرار کا احاطہ کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ زندگی کا آغاز کس طرح ہوا ؟ ایک پراسرار طریقے سے جس کی حقیقت نامعلوم ہے اور یہ عمل نظام فطرت میں مسلسل جاری ہے۔ یعنی حیوانات و نباتات کی دنیا میں یہ عمل برابر دہرایا جارہا ہے۔ چنانچہ ہر نوع اپنی ہی نوع کو جنم دیتی ہے۔ مگر کسی نوع کا دوبارہ جنم اتنا ہی حیرت ناک ہے جتنا کہ اس کے ابتدائی جنم کی گتھیوں کو سلجھانا۔ اب پوری دنیائے سائنس دم بخود ہے کہ یہ " خودکارانہ عمل " آخر کس طرح انجام پارہا ہے ؟ مثال کے طور پر ایک پودا جو ایک ننھے سے بیج سے نکلتا ہے وہ بالکل اپنے نوعی نقشے کے مطابق برآمد ہوتا ہے۔ اس کی ڈالیاں، شاخیں، غنچے، پتیاں، پھول اور پھل سب کچھ اس کی " آبائی " خصوصیت کے مطابق ہوتی ہیں۔ گویا کہ کسی ماہر کاریگر نے اسے چھیل چھیل کر اور تراش تراش کر بنایا ہو۔ حتیٰ کہ اس کے اجزاو عناصر اور طبیعی خواص تک میں ایک سرمو فرق نہیں ہوتا، تو ان سارے مظاہر کی توجیہ " از خود حیات " کے نظریہ کے تحت نہیں ہوتی، بلکہ ایک خالق و مربی کا وجود لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، جو لاکھوں انواع حیات میں سے ہر ایک کو اولین طور پر وجود ہی میں نہیں لاتا، بلکہ ہر نوع کو اس کی نوعی

خصوصیت کے ساتھ باربار پیدا کرکے اپنی ربوبیت وخلاقیت کا زبردست مظاہرہ بھی کرتا ہے اور ربوبیت کے اس زبردست مظاہرہ سے پوری دنیائے سائنس حیرت زدہ ہے، جو اس فعل ربانی کی صحیح حقیقت وکیفیت تک سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسی بناپر قرآن عظیم میں "اعادۂ حیات" اور "اعادہ انواع" کو قدرت خداوندی کا ایک خصوصی فعل قرار دیا گیا ہے، جو دنیائے سائنس کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ "اولم یرواکیف یبدی اللہ الخلق ثم یعیدہ۔ ان ذلک علی اللہ یسیر": کیا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیاکہ اللہ کسطرح تخلیق کی ابتداء کرتا ہے اورپھراس فعل کو دہراتا ہے؟ یہ بات اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ (عنکبوت: ۱۹) "امن یبدوا الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السماء والارض ط الہ مع اللہ ط قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین": بھلا وہ کون ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے دوبارہ وجود بخشتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زمین وآسمان (کی قوتوں کو یکجا کرکے) تمھیں رزق دیتا ہے؟ توکیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے (جواس حیرت انگیز طریقے سے اعادہ خلق کرکے تمھارے لئے رزق رسانی کرتا ہو؟) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہوتو اپنے دعوے کی دلیل پیش کرو۔ (نمل: ۶۴)

وحدت خدائی اور تردید شرک:۔

چنانچہ ایک اور موقع پر اس اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انواع حیات کی تخلیق اور باربار ان کا اعادہ وحدت خدائی کی ایک اچھوتی دلیل اور ربوبیت کا ایک ایسا معجزہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور اس کائنات میں کوئی دوسری ہستی اس کی شریک نہیں ہے: "قل ھل من شرکائکم من یبدوا الخلق ثم یعیدہ ط قل اللہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ فانی توفکون" کہہ دو کہ تمھارے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرکے پھر اس عمل کو دہراتا ہو؟ کہہ دو کہ (صرف) اللہ ہی ہے جو (کسی بھی) مخلوق کا آغاز کرکے پھراس کا اعادہ کرتا ہے۔ تو تم کہاں بہکے جارہے ہو؟ (یونس: ۳۴)

یہ بیان جس طرح قدیم مشرکین پر صادق آتا تھا اسی طرح وہ موجودہ سائنس دانوں پر بھی صادق آتا ہے۔ چنانچہ دنیائے سائنس نہ تو کسی پیڑ پودے کو پیدا کرسکتی ہے اور نہ اس عمل کا اعادہ کرسکتی ہے۔ پیدا تو وہ کرے جو انواع حیات کی اندرونی مشنری سے واقف ہو۔ حالانکہ دنیائے سائنس زندگی کی ابجد بھی نہیں جانتی۔ لہذا اس پوری کائنات کا ایک ہی خالق اور ایک ہی کارساز ہے اور رہے گا۔ اور اس کی ربوبیت کے نمونے یہ لاکھوں انواع حیات ہیں، جو سائنسی نقطۂ نظر

سے پورے عالم انسانی کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرض دنیائے نباتات میں ربوبیت کے جلوے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور لاکھوں قسم کے نباتات میں سے ہر ایک پیڑ ربوبیت کا ایک معجزہ ہے جو اپنے حیرت انگیز اصول وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے انسان کو درس عبرت دے رہا ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے کسی بھی درخت کی پتی ایک مکمل کارخانہ ہوتی ہے۔ جس میں موادنشاستہ یعنی کاربوہایڈریٹ تیار ہوتا ہے اور جو غذا کا ایک بنیادی جزء ہے۔ مگر جس حیرت انگیز طریقے سے وہ تیار ہوتا ہے اس کی داستان سرائی کیلئے ایک الگ مضمون کی ضرورت ہے۔ نیز اس کے علاوہ اس سلسلے کے اور بھی بہت سے حقائق باقی ہیں جو پھر کبھی بیان کئے جائیں گے۔ بہرحال شیخ سعدی نے اپنے ایک شعر میں نباتاتی زندگی کے اسرار کو اس طرح سمیٹ دیا ہے، جو دریابکوزہ کا مصداق ہے۔

برگ درختان سبزدر نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اسلام کا مطالبہ:-

حاصل بحث یہ کہ اس کائنات میں حیرت انگیز افعال والی ایک خلاق ہستی کا وجود پایاجاتا ہے، جو بڑے ہی انوکھے طریقے سے مخلوق کی رزق رسانی میں لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا اسلام کا تقاضا ہے کہ اس خلاق ہستی کو اپنا معبود و مسجود بناکر اس سے تعلق استوار کیا جائے۔ اور یہ مطالبہ دقیا نوسیت کی نشانی یا دور وحشت کی یادگار نہیں بلکہ موجودہ سائنسی دور کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اسی لئے ایک موقع پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا رزق کھاکر اس کی شکرگزاری کرو، اس کی ناشکری کرکے اس کی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک نہ بناؤ۔ "وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم ط فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون"۔ اور اس نے آسمان (کی بلندی) سے پانی برسایا پھر اس سے تمھاری رزق رسانی کیلئے طرح طرح کے پھل اگادئے۔ توتم جان بوجھ کر کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ (بقرہ: ۲۲)۔ یہ بیان جس طرح قدیم مشرکین پر صادق آتا تھا جو خدا کی خدائی میں دیگر دیوتاؤں کا بھی حصہ بناتے تھے، بالکل اسی طرح وہ موجودہ منکرین اور مادہ پرستوں پر بھی صادق آتا ہے جو حقائق سے منہ موڑ کر مادیت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں اور خدا کی صفات کو مادہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے مادہ ہی کو گویا کہ خداقرار دے رہے ہیں۔ اس اعتبار سے خدائے وحدہ لاشریک کا انکار بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کا انکار کرتے ہوئے اس کی ساری صفات کو مادہ کی طرف منسوب کرنا گویا کہ مادہ کو خدا قرار دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اصلی خالق ورازق کو پہچانے اور اس کا شکرگزار بنے۔

تحریر:۔ جناب لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل صاحب

نظریہ پاکستان کا وارث کون؟

تحریک پاکستان اور تخلیق پاکستان کی جڑیں برصغیر کی تاریخ میں بہت گہری ہیں۔ حکومتی سطح پر نہ سہی لیکن مسلم عوام، علماء اور مفکرین کی سطح پر ریاست مدینہ کے نمونے پر ایک اسلامی ریاست کے قیام کی آرزو کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو اسلام کے انقلابی کردار سے آشنا تھے ہمیشہ اسلام کے اصولوں پر مبنی حکومت، مملکت اور معاشرے کے قیام کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ہزار سالہ کشمکش کی اپنی ایک مستقل تاریخ ہے۔ یہ کشمکش کسی خطہ زمین یا رنگ ونسل کے مسئلے پر نہ تھی، بلکہ خالصتاً نظریے کی بنیاد پر تھی۔ یہی پاکستان کی تحریک تھی۔ مجدد الف ثانیؒ سے لے کر شاہ ولی اللہؒ اور سید احمد شہیدؒ کی تحریک مجاہدین تک یہی تحریک اپنی پوری تابناکی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اسی کے نتیجے میں ریشمی رومال تحریک نے جنم لیا اور تحریک خلافت سمیت بہت سی تحریکیں اٹھیں جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ احیائے دین کس طرح ہو اور کس طرح اسلام کی قوت وشوکت اور اصول وقوانین پر مبنی ایک ریاست قائم ہو۔ قیام پاکستان سے پہلے مسلم لیگ نے امت کے اسی جذبے، ذوق وشوق اور ارادے کو مزید تحرک بخشا، اسے Activate کیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانان ہند کو ہندو اکثریت کے دباؤ اور سازشوں سے بچنے کیلئے ایک الگ ریاست کا تصور دیا اور اس ریاست کا مطمح نظر اسلام کے اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ٹھہرایا۔ "پاکستان کا مطلب کیا.... لاالہ الااللہ" کا مقصد بھی یہ تھا کہ مسلمانان برصغیر احیائے اسلام کے لیے ایک ایسی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جہاں مسلمان قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کریں۔

سید احمدؒ بریلوی وسطی ہندوستان سے اٹھے اور ان علاقوں میں آئے جن کو آگے چل کر پاکستان بننا تھا اس لیے کہ وہ بھی ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے کیلئے اٹھے تھے، لہذا ان کی نظریں بھی اسی خطے پر پڑیں جہاں ایک سو برس بعد پاکستان قائم ہوا۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ علاقہ مشرق وسطی اور وسط ایشیا کے اسلامی خطے سے ملحق تھا، دوسرے اس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ تیسرا یہ کہ اس خطے کے غیور مسلمانوں کی خاکستر میں جہاد کی

چنگاریاں دبی ہوئی تھیں۔ سید احمدؒ شہید کی جوہر شناس نگاہوں نے اس بات کا ادراک کرلیا تھا۔ اسی حقیقت کا ذکر علامہ اقبال نے کیا۔ پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے انہوں نے بھی اسی علاقے کو چنا۔ علامہ نے علاحدہ ریاست کا تصور دیتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا، ملت مسلمہ کسی بے جان اور جامد ڈھانچے کا نام نہیں، یہ روح جہاد سے نمو پاتی اور خون شہیداں سے حرارت حاصل کرتی ہے۔ ہمارے دوسرے مفکرین نے بھی ہمیشہ اس کا احساس اور ادراک کیا۔ جہاد کی وہی روح تھی جس نے سید احمدؒ شہید، علامہ اقبال اور قائداعظمؒ کو موجودہ پاکستان کی طرف متوجہ کیا۔ سید احمد شہیدؒ کی آمد سے اس خطے میں جہاد کی عظیم تاریخ مرتب ہوئی اور علامہ کی فکر اور قائد کے عمل سے یہاں وہ ملک معرض وجود میں آیا جسے ہم بلاخوف تردید ریاست مدینہ کے بعد پہلی اسلامی ریاست کہہ سکتے ہیں۔

مسلم لیگ کا یہی تاریخی پس منظر تھا جس کی حتمی توضیح (Final Articulation) علامہ اقبال کے قائداعظم کے نام ایک خط سے بھی ہوتی ہے۔ اس خط میں انہوں نے برصغیر میں دو متصادم نظریوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک مسلم نظریے کا اور دوسرے ہند کے سامراجی نظریے کا۔ یہ وہ دن تھے جب تحریک پاکستان عملی اور حتمی تشکیل کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ ان ایام میں اشتراکیت ایک متبادل نظریے کے طور پر بھرپور طریقے سے میدان میں آچکی تھی۔ علامہ اقبال نے قائداعظم کو جو خط لکھا اس میں فرمایا: نہرو سوشلزم کو روٹی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کے لیے بھی یکساں رکھتا ہے، لیکن میرا خیال ہے روٹی، مساوات اور انصاف کا مسئلہ اسلام کے احیاء میں ہے۔ اس لیے نہرو سوشلسٹ انڈیا میں مسلمانوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ پاکستان کا نظریہ پیش کرنے والے مفکر کی یہ بات اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے، کہ پاکستان کا قیام احیائے اسلام کے نظریے پر ہوا۔ یہی نظریہ تھا جس کی مدد سے مسلم لیگ نے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان کا قیام ممکن بنایا۔

بدقسمتی سے پاکستان بنتے ہی مسلم لیگ پروڈیروں، جاگیرداروں اور بیوروکریسی کا قبضہ ہوگیا ہے۔ اس طرح ایک سامراج دشمن جماعت خود سامراج کے حلقہ اثر میں آگئی۔ پاکستان کے تمام ادارے یکے بعد دیگرے جاگیرداروں کے قبضے میں چلے گئے۔ ان کے دم قدم سے پاکستان اپنے قیام کے حقیقی مقصد سے محروم ہوتا چلاگیا۔ یہ جاگیردار جو مغربی استعمار کے غلام اور حاشیہ نشین رہ چکے تھے، استعمار کے بعد اس کے جانشین بن گئے۔ انگریز نے جاتے جاتے تمام اداروں میں اپنی

جونشانیاں چھوڑیں انہوں نے پاکستان کو انصاف ومساوات سے محروم کیا اور معاشی ناہمواری پیدا کی اس کے نتیجے میں بالآخر ایک ردعمل بھرا۔ یہ ردعمل دراصل سامراج کے خلاف تھا، اسلام کے خلاف نہیں تھا۔ کچھ لوگوں نے سوشلزم کا نعرہ بھی اسی ردعمل کے طور پر قبول کیا۔ یہ غلط ہے کہ سوشلزم کی جانب لوگوں کا میلان اسلام کے خلاف تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام کے لیے جان دینے والے لوگ روٹی، کپڑا اور مکان پر ریجھ کر اسلام کے خلاف ہوجاتے۔ پھر پاکستان کے عوام تو کبھی اسلام کے خلاف ہو ہی نہیں سکتے تھے، جس ملک کی بنیاد ہی اسلام پر اٹھائی گئی ہے وہاں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل عوام کی امنگوں پر اترنے والا اسلامی نظام یہاں نافذ نہ ہونے دیا گیا۔ اس کے بجائے سامراج نے اسلام کے نام پر سامراجی نظام چلایا۔ اس سے لوگوں میں جو شدت کا غم وغصہ پیدا ہوا، سوشلزم نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ سوشلزم نے سامراج کو چیلنج کیا، حالانکہ یہ نام نہاد سوشلزم بھی بجائے خود سامراج ہی کی بگڑی ہوئی شکل تھا، جیسا کہ آگے چل کر ثابت ہوگیا۔ تاہم جیسے ہی سامراج دشمنی پر مبنی نعرہ بلند ہوا اسے ملک کے کمزور اور مظلوم طبقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ ادھر مشرقی پاکستان نے پنجاب کو سامراج کا قائم مقام قرار دے کر سارا غصہ اس پر اتارا۔ وہاں پنجاب مخالف جذبات پیدا کیے گئے حالانکہ اس میں پنجاب کا قصور نہیں تھا۔ مجرم جاگیردار تھے۔ یہ محض ایک علامتی بات تھی۔ یہاں بھی فساد کی اصل جڑ نظام کا سامراج کا نظام تھا جس سے بنگالی مسلمانوں کے حقوق تلف ہوئے اور ان میں شدید ردعمل ہوا۔ چونکہ زیادہ تر پنجاب ہی فیوڈلزم کی نمائندگی کررہا تھا۔ یہاں کا جاگیرداری، وڈیرہ، شاہی، چودھریانہ اور بیوروکریسی نظام ساری خرابیوں کا ذمے دار تھا لہذا سارا غصہ پنجاب پر اتارا گیا اور مشرقی پاکستان الگ ہوگیا۔

مغربی پاکستان جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان کہلایا، یہاں نہرو کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوئے دعوی کیا گیا کہ سوشلزم کفالت کرسکتا ہے۔ اس دعوے نے لوگوں کو گمراہ کیا، چنانچہ لوگوں نے روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے کا ساتھ دیا اور بھاری تعداد میں بھٹو کے ساتھ چل پڑے۔ بھٹو کے دعوے کے مطابق سوشلزم کا اصل کام پسے ہوئے طبقے کے مسائل حل کرنا تھا لیکن اس کے برعکس بھٹو نے غیرجمہوری روش اختیار کی۔ اس کی زیادتیاں بڑھنے لگیں تو چند برسوں کے اندر اندر عوام کی سوچ (۱۹۷۷ء میں) نظام مصطفیٰ کی شکل میں ابھری۔ بدقسمتی سے اس موقع پر مارشل لاء نے آکر جھنڈا اٹھالیا اور کہا، نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہم کریں گے۔ ظاہر ہے کسی مارشل لاء کے بس میں نہ تھا کہ اس عظیم کام کو کرسکے۔ نفاذ اسلام کیا ہوتا کہ اس کا پروگرام پوری صلاحیت کے ساتھ پیش ہی نہیں کیا گیا۔

آج کا منظر ہم یوں دیکھ رہے ہیں کہ سوشلزم کی علم بردار پیپلز پارٹی نہرو کے سوشلزم کی سوچ پر مبنی نظریے کی علمبردار ہے۔ حالانکہ پاکستان نہرو کی سوچ کی نفی کرکے معرض وجود میں آیا تھا، لیکن جب سوشلزم بطور ایک آئیڈیالوجی دنیا بھر میں ناکام ہوگیا اور اس کی بنیاد پر قائم ممالک اور سلطنتیں ختم ہوگئیں تو پاکستان میں بھی سوشلزم زوال سے آشنا ہوگیا۔ چنانچہ آج پیپلز پارٹی بھی نئے نعروں کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ رہی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوشلزم پیدا کرنے والے عوامل بھی ختم ہوگئے، وہ تو اپنی جگہ موجود ہیں۔ روٹی کا مسئلہ، عدم مساوات اور ناخواندگی جیسے مسائل پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ آبادی زیادہ ہوگئی ہے اور اندرونی وبیرونی سامراجی قوتیں ابھی تک ہمارے مقتدر اداروں پر چھائی ہوئی ہیں۔

مسلم لیگ جو نظریہ پاکستان کی اصل داعی تھی اور آج بھی مدعی ہے، اپنی صفوں میں غالب سامراجی قوت کے ہاتھوں ہمیشہ مفلوج رہی، آج بھی یہی صورت حال ہے اور اس سے ابہام پیدا ہورہا ہے۔ ابہام یہ ہے کہ دعوے کے مطابق تو آج مسلم لیگ اسلام کی داعی ہے، لیکن عملی طور پر نظریہ پاکستان کے ساتھ مطابقت ہی نہیں رکھتی۔ اس کے دعوے اور عمل میں گہرا تضاد ہے جس سے ایک خلا پیدا ہورہا ہے اور ایسا لگتا ہے یہ خلا مزید بڑھے گا۔ یہاں میں ایم کیو ایم کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ ایم کیو ایم کی تخلیق بھی مسلم لیگ میں موجود تضاد اور پاکستان پر سامراجیت کے غلبے کا تاریخی ردعمل ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے پاکستان کے لیے قربانیاں دیں اور ہجرت کی تھی، ان کی روٹی کا مسئلہ تو کسی حد تک حل ہوگیا لیکن انصاف کا مسئلہ حل نہیں ہوا، تو وہ بھی ردعمل کا شکار ہوگئے۔ بنیادی طور پر ان کا جھگڑا بھی سامراج کے ساتھ تھا لیکن وہ اس تصادم کو درست سمت میں نہ رکھ سکے۔ اسی طرح ایک اور جماعت عوامی نیشنل پارٹی ہے جسے پہلے NAP کہاجاتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے نہرو کے نظریے سے کمٹ منٹ رکھتی آئی ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے قیام کے بعد نہرو کے نظریے کی برتری کے لیے سرگرم عمل رہے۔ پاکستان کی حکومت اور اداروں پر سامراجی قوتوں کے غلبے نے ان کو موقع دے دیا کہ نہرو اور غفارخان کے سرخ پوش نظریات کی کامیابی اور دوقومی نظریے کی ناکامی کا دعویٰ جاری رکھیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ نظریہ پاکستان کہاں ہے اور اس کا والی وارث کون ہے....؟

قائداعظمؒ کے جو تمام مقاصد تھے جن کی تکمیل ابھی تک نہیں ہوئی، ان کی تکمیل کون کرے گا...؟

مثال کے طور پر انہوں نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا، مرتے وقت بھی ان کے لبوں پر کشمیر کا

(بقیہ صفحہ 38 پر)

قسط نمبر ۴

جناب مولانا انوارالحق صاحب
نائب مہتمم واستاذ الحدیث جامعہ حقانیہ

شہیدوں کے خون سے منور سرزمین

افغانستان میں چار دن

کابل میں داخل ہوتے ہی سیدھے تاریخی جامع مسجد پل خشتی مغرب کی نماز ادا کرنے پہونچ گئے۔ موسم انتہائی خوشگوار اور ہلکے بارش کا سلسلہ جاری تھا۔ جماعت میں شامل لوگ نماز سے فارغ ہوکر مسجد سے نکل رہے تھے۔ بجلی منقطع ہونے کی وجہ سے مسجد اور اس کے اردگرد کچھ زیادہ گھما گھمی نہ تھی۔ گاڑی رکتے ہی مسجد کے باہر کھڑے بے شمار سائلین جن میں زیادہ تعداد بچوں اور برقع پوش معمر مستورات کی تھی ہمارے جانب لپک گئے۔ ان کے درمیان مشکل سے راستہ نکال کر ہمارے ساتھی مسجد میں داخل ہوئے ان فقراء ومساکین کے حالت زار کو دیکھ کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس طویل جنگ کی وجہ تباہی سے نہ صرف عمارات کھنڈروں میں تبدیل ہوئے بلکہ سڑکیں، پل، باغات وکھیت بھی ویرانے کا منظر پیش کرکے اپنے تباہی پر نوحہ کناں ہیں بلکہ افغانستان کے غیرت مند باسیوں کی اکثریت ایک وقت کے نان جویں کیلئے نہایت آہ وزاری سے دوسروں اور خصوصاً غیر ملکی مہمانوں کے لیے سامنے دست سوال پھیلانے پر مجبور ہوئے۔ سفر کی تھکاوٹ کیوجہ سے مسجد کے تفصیلی معائنہ کے بجائے صرف نماز پڑھنے پر اکتفا کرکے اپنے قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

افغانستان میں روسی سامراج کی آمد، قبضہ اور اس کے ردعمل میں تاریخی جہاد کے دوران پاکستان کے علماء وطلباء اور اسلامی مملکت کے قیام کے خواہشمند مسلمانوں کے دلوں میں عرصہ سے یہ جذبہ موجزن رہا کہ جب بھی افغانستان کا پایہ تخت اسلامی نظام کے حقیقی علمبرداروں کے ہاتھ آکر صدیوں پرانا خواب شرمندہ تعبیر ہوتو اپنے آنکھوں سے اس تاریخی اور اسلامی شہر دیکھنے کیلئے ایک دفعہ ضرور جانا ہے۔ اسی جذبہ خواہش کے پیش نظر کابل کے فتح ہوتے ہی پاکستان واطراف عالم کے جہاد کے جذبہ سے سرشار مسلمان پندرھویں صدی میں بظاہر بے یارومددگار طالبان کے ان معجزہ نما کارناموں کو دیکھنے گروہ درگروہ کھچ کھچ کر افغانستان پہونچ رہے تھے۔ طالبان گورنمنٹ نے جہاد

میں مصروف دشمنوں کے نئے نئے سازشوں کو ناکام بنانے جیسے اہم مشاغل کے ساتھ ساتھ افغانستان آنیوالے ہزاروں مہمانوں کے حتی المقدور قیام وطعام، ملاقاتوں اور نقل وحرکت کے وسائل وذرائع کیلئے بھی الگ شعبہ قائم کررکھا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ کابل کے وسط میں انصاف ہوٹل میں ہمارے قیام کا بندوبست ہوگا۔ اکثر وبیشتر غیر ملکی مہمانوں کو اسی جگہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ جب ہم ہوٹل کے بیٹ کو پہونچے وہاں پہلے سے چند طالبان ہمارے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان کے وزیر معدنیات اور جامعہ حقانیہ کے فاضل مولانا حاجی احمدجان حقانی کابل کے رہائشی علاقہ وزیر اکبرخان میں ہمارے منتظر ہیں، یہاں سے سیدھے وہاں پہونچے۔ کابل میں اہم عہدوں پر فائز حقانیہ کے فضلاء اور مجاہدین کے بعض سرکردہ کمانڈروں کو بھی ہمارے آمد کی اطلاع ہوچکی تھی۔ مولانا احمدجان کے مکان پر کافی تعداد میں ہمیں خوش آمدید کہنے کیلئے موجود تھے۔ ہمارے رہائش کا انتظام یہیں ہوچکا تھا۔ مکان میں داخل ہوتے ہی ایک وسیع کمرہ میں بیٹھ کر چائے کے دور کے ساتھ ساتھ ہمارے ساتھی جن خبروں کو سننے کیلئے بے تاب ہوکر یہاں تک ذوق وشوق سے پہونچے تھے کا سلسلہ شروع ہوا۔ طالبان اور ان کے راہنمایان کے عزائم اور حوصلے بلند اور پہاڑوں سے مضبوط تھے۔ ان کے فتوحات اور مختلف محاذوں پر اپنے سے تعداد اور وسائل میں کئی گناہ زیادہ دشمن سے مقابلہ کے وقت تائیدایزدی کے عجیب وغریب ودلچسپ واقعات اور ایمان افروز باتوں سے ساتھی محظوظ ہوئے۔ اسی مکان میں ہماری ملاقات جوان عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب جو کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کراچی کے خاص تلامذہ اور متعلقین سے ہیں ہوئی معلوم ہوا کہ جب سے طالبان نے افغانستان کے شہیدوں کے خون سے رنگین سرزمین کو ظالموں، لٹیروں اور فاسقوں کے پنجے سے آزادی کیلئے علم جہاد بلند کیا۔ اسی وقت سے مفتی عبدالرحیم صاحب اپنے شیخ ومرشد مفتی رشیداحمد صاحب کے ہدایات کو لے کر اکثر وبیشتر طالبان کے ساتھ شریک جہاد رہتے ہیں۔ استاذ محترم حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب بھی طالبان کے جہاد میں چونکہ اہم کردار ادا کررہے ہیں اس لیے مفتی صاحب موصوف کا ان کے ساتھ اکثر وبیشتر رابطہ رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا عنکر فوراً ہماری اقامت گاہ پہونچ آئے۔ گفت وشنید کا یہ سلسلہ لمبا ہوتا گیا۔ طالبان مجاہدین کے نورانی چہروں کو دیکھنے اور عجیب وغریب واقعات سننے سے طویل سفر کی تھکاوٹ کا تصور بھی باقی نہ رہا۔ اسی دوران مولانا سلطان محمد حقانی رئیس ارتباط واستاد نے آکر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ دسترخوان پر بیٹھ کر ان فقراء ومساکین اہل اللہ کے سادگی سے تیار کیے ہوئے کھانے میں جو برکت اور مزہ محسوس ہوا وہ بڑے بڑے ہوٹلوں اور کھانوں میں بھی ناپید ہے۔ فراغت کے بعد عشاء کی

نماز جماعت کے ساتھ ادا کرکے کچھ دیر آرام کرنے کا ارادہ کیا۔ مقامی منتظمین سے طے ہوا کہ کل نماز فجر اور ناشتہ سے فارغ ہونے کے فوراً بعد صحابہ کرام، اولیاء اللہ کے مزارت پر حاضری اور ربانی اور گلبدین حکمت یار کے آپسمیں تخت کابل پر قبضہ کیلئے آگ وخون کے ھولناک جنگ سے گزرنے والے تباہ حال علاقوں کا معائنہ کرکے درہ سالانگ اور وادی پنج شیر کے دھانے پر واقع طالبان کے فرنٹ لائنز اور مورچوں میں اسلام کے سپاھیوں اور غازیوں سے ملاقات کریں گے۔ مہمانوں کے زیادتی کیوجہ سے بندہ، مولانا فضل الرحیم صاحب لاہور، خطیب پنجاب حضرت مولانا علی اصغر اسی مکان میں بقیہ حصہ رات گزارنے کے لیے ٹھہرے اور حضرت مولانا سیدشیرعلی صاحب بمع اور ساتھیوں کے اس مکان کے نزدیک حرکتہ الانصار کے مہمان خانہ میں آرام کرنے کیلئے چلے گئے۔ فجر کی نماز وزیراکبرخان ہی کے علاقہ کے جامع مسجد میں پڑھ لی۔ کسی زمانے میں اس علاقہ کا کابل کے جدید ترین اور فیشن ایبل علاقوں میں شمار ہوتا تھا۔ افغانستان کے ارباب اقتدار، امراء، غیرملکی سفراء کی اکثریت کے مکانات اور دفاتر یہیں واقع ہوا کرتے تھے۔ رات تو ہم لوگ اندھیرے میں پہونچے اتفاق سے بجلی بھی ساری رات غائب تھی۔ مسجد سے اپنے جائے اقامت آتے ہوئے اس علاقہ کے مکانات، سڑکوں، باغیچوں کو دن کی روشنی میں دیکھ کر اندازہ ہوا کہ افغان قوم کے آزمائش میں اس غیر جاندار، حسین علاقہ کو بھی دشمنوں نے نہ بخشا۔ شاذونادر ہی کوئی ایسا بنگلہ، مکان دیکھا جس پر گولیوں، میزائل، راکٹ وغیرہ کے نشانات نہ تھے۔ سڑکیں برائے نام، گھروں کے اندر وباہر درخت وباغیچے اجڑے ہوئے ایسا لگ رہا تھا کہ گویا علاقہ کی ہر بےزبان چیز بھی اپنے بربادی پرخاموش احتجاج کررہی ہے، کہ پہلے سرخ سامراج اور پھر اپنے ہی مسلمان کہلوانے والے افغان بھائیوں کے ہاتھوں ہمارے ساتھ یہ سلوک ہوا۔ اپنے جگہ واپس آکر چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ کابل کے معاون (ڈپٹی) گورنر مولوی محمد عالم حقانی بمع ساتھیوں کے ہمارے ملاقات کیلئے آئے کچھ دیر بعد حرکت الانصار کے دفتر کے انچارج اور اس جہاد کے مشہور غازی اور کمانڈر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب جس کے جہاد کے دوران اور بالخصوص سروبی و کابل کے قریب "ریشمین تنگی" کے محاذ پر بہادری سے بھرپور کارنامے ہم کل سے سن رہے تھے وارد ہوئے۔ بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ موضوع تو وہی ایک "جہاد طالبان" مگر واقعات وکارنامے ہرایک دوسرے سے دلچسپ اور ایمان کو تازہ کرنے والے۔ چائے پی کر پہلے سے مرتب کردہ پروگرام پر روانگی کا مرحلہ شروع ہوا۔ میزبان وزیرمعدنیات حضرت مولانا احمدجان حقانی ہمارے ساتھ شریک سفر ہونا چاہتے تھے، مگر ان کے بعض دیگر اہم جہادی ووزارتی مصروفیات کااندازہ ہونے کے بعد ساتھیوں نے بالاتفاق

ان کو اپنے امور نمٹانے کیلئے اپنے ساتھ روانہ ہونے سے منع کردیا۔ البتہ نائب گورنر مولوی محمد عالم مصر تھے کہ آدھا گھنٹہ اپنے دفتری امور نمٹانے کے بعد میں آپ کے ساتھ محاذ پر جاؤنگا۔ ان کے مصروفیات سے فراغت تک ہم لوگ مولانا عبدالجبار صاحب کی قیادت میں مزارت پر حاضری اور کابل کے اجڑے ہوئے علاقوں کو دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے۔ گاڑیوں کا بندوبست مولانا احمدجان پہلے سے کر چکے تھے۔ افغانستان کے قریباً ساڑھے سات بجے وزیراکبرخان کے علاقہ سے مزارات کی طرف روانہ ہوئے۔ دینی ومذہبی لحاظ سے افغانستان کی سرزمین انتہائی زرخیز ہے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرفاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں اس خطہ کو اسلامی سلطنت کے حدود میں شامل کرنے کیلئے کئی صحابہ نے اپنے زیرکمان لشکر کشی کرکے اس کو فتح کرلیا۔ ابوداود شریف کے ایک ایک حدیث میں کابل کا ذکر آیا ہے جس سے بعض مورخین اور ان روایات کی تائید ہوجاتی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں کئی صحابہؓ نے افغانستان کی مٹی پر قدم رنجہ ہوکر یہاں پر اسلام کے جڑوں کو مضبوط کیا۔ صحابہ کرام وتابعین جیسے مقدس ومحترم ہستیوں کے ورود مسعود کا نتیجہ ہے کہ کئی استعماری قوتوں نے مختلف ادوار میں اسلام کے جذبے سے سرشار ان مسلمانوں کو زیرکرنے کی کوشش کی مگر کوئی بھی اس ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ جبکہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے نقشے پر پھیلی ہوئی کئی اسلامی سلطنتیں بشمول پاکستان طویل عرصہ تک اغیار وکفار کے غلام کی حیثیت سے ان کے زیرتسلط رہیں۔ جنہوں نے ان مغلوب ومفتوحہ ملکوں میں اسلامی شعائر واحکامات کو تبدیل کرنے اپنے نظریات وافکار کو پھیلانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاکر مسلمانوں کے عظمت رفتہ کو پامال کرنے کے بعد سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ ان کے جذبے جہاد کو بالکل سرد کردیا۔ افغانستان واحد ملک ہے جو سازیشوں کے عزائم سے محفوظ رہا۔ جس کا مظاہرہ انہوں نے سویت یونین جیسے ظاہری سپرطاقت کے سامنے سینہ سپر ہوکر دنیا کے نقشے سے اس یونین کا نام ونشانان ہی مٹا دیا۔

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب چونکہ عرصہ دراز سے جہاد افغانستان میں مصروف ہیں۔ اس لیے ان کو اس ملک کے چپہ چپہ کے حالات وواقعات کا مکمل علم ہے۔ اس موقع پر ان کے رفاقت ہمارے لیے کافی کارآمد رہی۔ وہ ہمیں ایک ایک مقام پرلیجاکر اس کے پس منظر ومتعلقات سے آگاہ کرتے رہے اور ہمارے شریک سفر جامعہ اشرفیہ لاہور کے مدرس اور ماہنامہ الحسن کے ناظم مولانا عبدالمتین قاسمی سپرد کرتے رہے۔ سب سے پہلے مشہور صحابی حضرت ابودفاعہ عدوی کے مزار پر حاضری کی۔ پہاڑ کے دامن میں ذرا اونچے مقام پر واقع قبرمبارک کے قریب ایک کتبے پران کا سن

وفات ۳۴ ؁ لکھا ہوا ہے ۔ ان کے قریب ہی ایک دوسرے صحابی کا روضہ بھی ہے مگر کتبے پر نہ ان کا نام درج ہے ، اور نہ سن وفات ۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر موجود قبرستان میں جاکر ایک لمبے قبر کے بارے میں بتایا گیا کہ تاریخی شواہد کے مطابق یہ ستر صحابہ کرامؓ کا مدفن ہے ۔ قبر کے گرد ایک چھوٹی سی ٹوٹی چاردیواری کے ایک حصہ پر ان ستر صحابہ کرامؓ کے اسماء مبارکہ درج ہیں ۔ ان دونوں بابرکت مقامات پر تمام رفقاء نے حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب کے دعائیہ کلمات پر آمین کہتے ہوئے فاتحہ خوانی کی ، ان قبروں کے قرب وجوار اور بھی کئی اولیاء اللہ ، علماء وصلحاء کے قبور تھے مگر وقت کی تنگی کیوجہ سے ہم نے دور ہی سے فاتحہ ودعوات پر اکتفاء کرکے اگلے منزل یعنی کابل کے تباہ شدہ علاقوں کو دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے ۔ شہر کے معروف علاقوں دارالامان ، جادہ میوند ، پل سوختہ ، کارت چار کو دیکھ کو ایسا لگتا ہے جیسے قوم عاد ، لوط وثمود پر نازل ہوئے عذاب اور بستیوں کے اجڑنے کا منظر یہی علاقہ پیش کررہا ہے ۔ بڑی بڑی عمارتیں قبرستان اور کھنڈرات کی شکل میں زمین بوس ہوچکی ہیں ۔ جدید اور پختہ دکانوں اور مارکیٹوں کے نہ ختم ہونے والا سلسلے کے صرف ٹوٹے بنیاد باقی ہیں ۔ ممکن ہے ان عظیم عمارات کے ملبے کے نیچے سینکڑوں مکین بھی زندہ درگور ہوچکے ہوں ۔ مگر آپس میں برسرپیکار افغانستان قائدین کو اقتدار حاصل کرنے کے حرص میں اتنا وقت بھی نہ مل سکا کہ اپنے ہم وطنوں پر بموں ، مارٹروں ، راکٹوں اور میزائل کے بارش برسانے کے بعد ان کے حالت زار کے طرف بھی کچھ توجہ ہوتی ۔ اسی سڑک پر کابل کا مشہور روٹی پلانٹ جسے سیلو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے بلندو بالا عمارات پر مشتمل کارخانہ ہے ۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ یہاں پکی پکائی روٹی تیار ہوکر پورے شہر کے دکانداروں کو سپلائی کیجاتی تھی مگر اب یہ دفاعی وعوامی پلانٹ وعمارات بھی آثارقدیمہ کی حیثیت سے ہزاروں بلکہ لاکھوں گولیوں کی زد میں آکر اس کے تمام درودیوار ایک مکمل چھلنی کا نمونہ پیش کررہے ہیں حتیٰ کہ اس روڈ پر بجلی کے ایک ایک کھمبے میں ہزاروں سوراخ ہوچکے ہیں ۔ اس کارخانہ کے بالکل سامنے بائیں جانب بسوں کا بہت بڑا ورکشاپ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی صورت میں موجود ہے مگر اس میں کروڑوں ڈالروں مالیت کے ہزاروں بسیں جنگ کا شکار ہوکر سکریپ کے شکل میں ان کے آثار باقی ہیں ۔ حالانکہ افغانستان کے اسی گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس جو " ملی بوس " کے نام سے مشہور تھا کا شمار دنیا کے جدید ترین ذرائع نقل وحرکت میں ہوکر پورے کابل شہر میں ان کا چلن الیکٹرک کے ذریعے ہوا کرتا تھا ۔ جیسے کہ پہلے ذکر ہوچکا ۔ نیست ونابود کرنے کا یہ سارا عمل طالبان کے بل کنٹرول کرنے سے پہلے افغانستان میں امن واسلام قائم کرنے کے علمبرداروں کے ہاتھوں ہوا جب سے طالبان نے دارالحکومت کا نظم

ونسق سنبھالا یہ شہر ہر لحاظ سے امن وسکون کا گہوارہ بنا ہوا ہے ۔ اب ہمارا رُخ اس سفر کے اہم ترین مقصد مختلف محاذوں پر جاکر دشمن کے مقابلہ میں صف آرا طالبان سے ملنے کے طرف تھا ۔ شہر کے حدود سے نکلنے کے ہم قریب تھے کہ کابل کے نائب گورنر مولوی محمد عالم بھی اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے قافلہ میں شامل ہونے کیلئے پہونچ آئے ۔ مولوی محمد عالم جس شاہراہ پر ہم شمالی علاقوں کی طرف روانہ تھے افغانستان کے دیگر تباہ حال سڑکوں سے یکسر مختلف اعلیٰ معیار کا بنا ہوا ہے ۔ تعجب اس پر ہوا کہ روسی یلغار کے زمانہ میں ٹینکوں وتمام سامان حرب کے دارالحکومت پہونچانے کا یہی اہم راستہ تھا مگر اتنے بربادی کے باوجود بھی یہ سڑک مکمل پختہ و صحیح وسالم ہے ۔ گھنٹہ سفر کرنے کے بعد صوبہ پروان کے دارالحکومت چارپکار پہونچے ۔ شمالی علاقوں کے طرف جانے والے شاہراہ پر یہ بڑا شہر ہے ۔ اسے فتح کرنے کیلئے طالبان کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ چارپکار سے قریباً ایک کلومیٹر سالانگ کی جانب سڑک کے کنارے حرکتہ الانصار کی ایک فوجی مرکز میں گئے ۔ قریباً ڈیڑھ سو کے قریب جوان ، جہاد وجذبہ سے سرشار چہروں پر خوبصورت داڑھیاں ، سروں پر عمامے ، ہاتھوں میں ہتھیار لئے ہوئے دشمن پر جھپٹنے کے لیے اس چھاونی میں موجود تھے ۔ ہمارے آنے کی اطلاع ہوکر سب مجاہد ایک ہال نما کمرے میں جمع ہوئے ان کے راہنما مولانا عبدالجبار صاحب نے کھڑے ہوکر مہمانوں کا تعارف کرایا ۔ حضرت مولانا شیرعلی شاہ صاحب ، مولانا فضل الرحیم صاحب اور احقر نے جہاد کے فضیلت پر چند جملے ان کے سامنے پیش کردیئے ۔ ان کا جوش وخروش دیدنی تھا ۔ ان میں سے تین مجاہدوں نے پنجابی زبان میں جہاد اور جہاد کے دوران شہادت نوش کرنے والوں کے بارے میں ایک جذباتی نظم پیش کی ۔ اگرچہ ہم جیسے بعض ساتھی پنجابی زبان کے بیشتر الفاظ نہ سمجھ سکے مگر جہاد کے مناسبت سے ان اشعار کے زیر وبم سے گویا یہ اندازہ ہورہا تھا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے والے اللہ کے ان شیروں نے اپنے نظم میں میدان جنگ کی پوری تصویر کشی کی ہے ، جس کے سننے سے ہم پر ایک عجیب کیفیت ووجدان طاری ہوا جس کا احاطہ الفاظ کے دائرہ میں لانا مشکل ہے ۔ حضرت مولانا علی اصغر کے اجتماعی دعا کے بعد روانہ ہوکر جبل السراج پہونچے ۔ دواطراف سے پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا یہ قصبہ جہادطالبان کے دوران اندرونی وبیرونی ذرائع ابلاغ کے ذریعے اور جنگی اہمیت کے اعتبار سے بین الاقوامی شہرت یافتہ ہے ۔ اس پر قبضہ کیلئے طالبان اور مخالف فریق کے درمیان سخت ترین معرکے ہوئے ۔ طالبان کی کافی تعداد اسی محاذ پر جام شہادت نوش کرکے باآلآخر مخالف فریق کے اس مضبوط گڑھ کو فتح کرنے کے بعد ایک طرف سالانگ کے سرنگ تک پہونچ گئے ۔ تو دوسرے جانب دشمن کو پنج شیر کے درہ کے دہانے تک

(جاری ہے)

احتشام الحق قاسمی
ریسرچ اسکالر شعبہ عربی
اے. ایم. یو. علی گڑھ

علماء دیوبند کے ملفوظات ادب کے آئینہ میں

علماء دیوبند نے جس طرح زندگی کے تمام عملی میدانوں میں ایک اعلیٰ اور امتیازی معیار کو پیش کیا، جو امت مسلمہ کیلئے ایک اہم نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح انہوں نے علم و تحقیق، ادب وفن اور عقل ودانش کے تقریباً تمام میدانوں میں آخری افق تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ان علماء میں سے کچھ اردو تالیفات اور کاوشیں عربی وفارسی کی زیادہ آمیزش کی وجہ سے جو وہاں کے اس وقت کے ماحول کی دین تھی عام فہم نہیں رہیں اور انکو صرف طبقہ علماء ہی سمجھ سکتا ہے۔ مگر وہیں بہت سے ایسے علماء بھی ہیں جنکی تالیفات وکاوشیں اور خاص طور پر ملفوظات نہایت ہی عام فہم اور آسان وسہل ہیں۔ انکے ملفوظات جہاں علمی، فکری، تحقیقی، تاریخی اور اصلاحی نکات سے پر ہیں وہیں وہ اردو زبان وادب میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں اصلاحی فکر اور معنویت سے قطع نظر اردو ادب کے تمام محاسن اور خوبیاں موجود ملتی ہیں۔ علماء دیوبند کی تعداد تو علمی کہکشاں ہے اور اس کے ستاروں کی عددی قوت حد سے زیادہ مگر ہم نے بطور نمائندہ صرف چھ علماء کے ملفوظات کا جائزہ لینے پر اکتفاء کیا ہے، وہ ہیں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ، مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ اور مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ملفوظات مولانا عاشق الٰہیٰ میرٹھی کی کتاب تذکرۃ الرشید سے اخذ کئے گئے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات عبدالحی فتح پوری کے مرتب کردہ ملفوظات "کلمۃ الحق از ملفوظات حکیم الامت" سے لیے گئے ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ملفوظات کا ماخذ نجم الدین اصلاحی صاحب کی کتاب سیرت شیخ الاسلام ہے۔ مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ کے ملفوظات مہربان علی بڑوتی کی کتاب معارف مسیح اللہ سے ماخوذ ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے ملفوظات ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے صحبتے با اولیاء میں جمع کئے ہیں اور مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ملفوظات فقیہ الامت سے اخذ کردہ ہیں۔

ہم نے اس مقالہ میں مختلف موضوعات کے تحت ان حضرات کے ملفوظات کو مشترکہ طور پر جمع کردیا ہے تاکہ ایک موضوع سے متعلق ان حضرات کی آراء کا اندازہ ہوسکے اور ہر ایک کے الگ الگ اندازِ بیان اور اندازِ فکر سے استفادہ کے علاوہ یہ اندازہ کرسکیں کہ ان ملفوظات کی ادبی حیثیت کس معیار کی ہے۔

★ ★ ★ تصوف اور سلوک ★ ★ ★

علماء دیوبند نے ہندوستان میں تصوف کی صحیح تعلیم دینے میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔ انہوں نے تصوف کی نہ صرف صحیح تعلیم و تربیت دی بلکہ اس میں کم علم و خودغرض پر لوگوں کی وجہ سے شامل ہونے والی بہت ساری غیر اسلامی چیزوں کے خلاف اپنی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات کے ذریعہ سے ایک مستقل جنگ جاری رکھی۔ چند ملفوظات ملاحظہ ہوں:۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ بیعت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔ مجھ کو بیعت کے بارے میں یہ شبہ ہوگیا ہے کہ کہیں فقہاء کے اس کلیہ میں داخل ہوکر قابل منع نہ ہوگئی ہو..... کہ مباح اور مندوب سے اگر مفاسد پیدا ہوں تو وہ مباح مکروہ ہوجاتا ہے اور بیعت یا مباح ہے یا مندوب اور مفاسد اس میں یہ ہیں کہ عوام اس کو نفع کی علت سمجھتے ہیں اور خواص گو علت نہ سمجھیں مگر یہ عقیدہ ضرور ہوتا ہے کہ شرط نفع ہے، حالانکہ وصول الی اللہ کیلئے نہ شرط ہے نہ علت
(ہنس کر فرمایا) ہاں وصول الی المبلغ کیلئے علت بھی ہے اور شرط بھی (۱)

موجودہ تقویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔ آج کل تقویٰ صرف نفل پڑھ لینے اور پائجامہ اونچا کرلینے اور ڈاڑھی رکھ لینے میں ہی رہ گیا ہے، خلاصہ یہ کہ کچھ نفلیں اور کچھ نقلیں کرکے کافی سمجھا جاتا ہے۔ تقویٰ فی المال کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ حلال ہے یا حرام؟ گویا حرام صرف دال اور خشک روٹی ہی ہے، باقی سب چیزیں حلال ہیں۔ (ہنس کر فرمایا) اتنے لوگوں نے حرام کو حلال کیا اور تنبوٹھری سے حلال کیا مگر پھر بھی حرام ہی رہا (۲)۔ فرمایا آج کل تو بزرگی یہ رہ گئی ہے کہ عقائد درست ہوں، داڑھی نیچی ہو، پائجامہ اونچا ہو، لوگ اس کو جنید بغدادی سمجھنے لگتے ہیں، خواہ اعمال کیسے ہی ہوں جس سے وہ شتر لغدادی بھی نہ ہو۔ (۳)۔

---

(۱). کلمۃ الحق از ملفوظات حکیم الامت: مرتب عبدالحق فتح پوری۔ کتب خانہ اشرفیہ جامع مسجد رہلی، ص ۱۳۰

(۲). کلمۃ الحق از ملفوظات حکیم الامت: مرتب عبدالحق فتح پوری۔ کتب خانہ اشرفیہ جامع مسجد رہلی، ص ۹

(۳) کلمۃ الحق: ص ۳۹

مولانا حسین احمد مدنیؒ متصوفین کے بارے میں فرماتے ہیں :- متصوفین پر کنٹرول کرنا اور ان کو قیود شرعیہ اور کتاب وسنت کے حدود میں مقید کر دینا ازبس ضروری ہے ورنہ عام مسلمانوں میں سخت گمراہی اور الحاد کے پھیل جانے کا قوی امکان ہے ۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ جوش اور عشق خداوندی اور غلبہ سکر میں صوفیہ سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوجاتے ہیں جن کی شریعت کے احاطہ میں کوئی جگہ نہیں ہے اگر ان کی روک تھام نہ کی گئی تو انتہائی فتنوں کا سامنا ہوگا ۔ علماء کا فریضہ ہے کہ ظاہری شریعت کی مکمل حفاظت کریں (۴) ۔

فرماتے ہیں :- وساوس اور خطرات کا دل میں پیدا ہونا ایمان کی علامت ہے اسلیے کہ چور اسی گھر میں جاتا ہے جسمیں کچھ اور حتی الوسع برے خیالات کے دفعیہ کی کوشش کرنی چاہئے ۔ (۵) ۔

رشید احمد گنگوہیؒ کا ملفوظ ہے کہ آدمی کا کیا ہوا جو ضائع ہوتا ہے عادۃً اس کے اسباب تین ہوتے ہیں ۔ (۱). ناجنس کی صحبت (۲). ناموافق غذا (۳). معصیت کا صدور ۔ آپ دیکھ لیں ان میں سے جو بات ہو اس کی مکافات کی پوری کوشش کریں (۶) ۔

مولانا مسیح اللہ خان صاحب مال اور اسکی محبت کے بارے میں فرماتے ہیں :- حب مال اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے کشتی اور پانی ۔ کہ پانی کشتی کیلئے مفید بھی ہے اور مضر بھی ۔ پانی نہ ہوتو چلے کیسے پھر اگر پانی کشتی کے باہر ہے تو کشتی بے خطرہ چلتی رہیگی اور اگر پانی کسی وجہ سے کشتی کے اندر داخل ہوتا رہیگا تو کشتی ڈوبتی رہیگی ۔ ٹھیک اسی طرح حب مال اگر دل کے باہر رہے تو قلب کیلئے مفید اور جتنی جتنی یہ محبت دل کے اندر آتی چلی جائیگی مضر بنتی چلی جائیگی یہاں تک کہ پورے قلب کو محبت دینا غرق کرڈالے گی ۔ (۷) ۔

مسیح اللہ خان صاحب کہتے ہیں :- تصوف تعصب کا نام نہیں جیسا کہ بعض کو وہم ہوگیا کہ تصوف تو تعصب سکھاتا ہے کیونکہ میل جول ختم کرایا جاتا ہے ۔ سو خوب سمجھ لیں جو اختلاط کی قلت ضرر سے بچنے کی خاطر ہو جیسا کہ سلوک کی ابتداء میں کرایا جاتا ہے تو وہ تعصب ہرگز نہیں، ناحق پر جمے رہنا تعصب کہلاتا ہے اور تصوف میں تو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا سکھایا جاتا ہے ۔ تصوف علم

---

(۴). سیرت شیخ الاسلام : مرتبہ نجم الدین اصلاحی . مکتبہ دینیہ دیوبند سہارنپور ۱۹۹۳ء ج ۲ : ص ۵۵۲

(۵). سیرت شیخ الاسلام : ص ۵۶۹

(۶). ملفوظات فقیہ الامت : مرتبہ مسعود احمد . مکتبہ محمودیہ میرٹھ : ۱۹۸۸ء جلد ۳ ، صفحہ ۳۹

(۷) معارف مسیح الامت : مرتبہ مہربان علی بڑوتی . مکتبہ طیبہ دیوبند : ۱۹۹۴ء : ص ۲۶ ۔

وعمل کی تکمیل سکھاتا ہے جو عالم صوفی نہیں حقیقت میں وہ عالم نہیں ۔ (۸)۔

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے افریقہ میں سوال کیا گیا کہ حضرت عالم میں فساد و بگاڑ کا کیا سبب ہے تو ارشاد فرمایا: جیسی غذا ہوگئی ویسے ہی اثرات پیدا ہوں گے، عموماً لوگوں کی نظر غذا پر نہیں ۔ حلال ہے یا حرام ہے یا حلال سے مخلوط ہے ۔ غذا حلال ہو تو انشاء اللہ بگاڑ نہ ہوگا ۔ (۹)

مدارس طلبہ اور اساتذہ:۔

دینی مدارس ہم مسلمانوں کیلئے ایسے مضبوط قلعوں کی مانند ہیں جنکی فصیلوں کے احاطہ میں اسلامی علوم وفنون پھلتے اور پھولتے ہیں، خاص طور پر برصغیر پاک وہند میں اسلام کی بقاء میں ان مدارس ہی کا سب سے بڑا رول رہا ہے ۔ علماء دیوبند کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ان مدارس اسلامیہ میں مکمل طور پر صحیح اصولوں پر عمل کیا جائے تاکہ ان کی افادیت باقی رہے ۔ اس کیلئے انہوں نے مستقل طور پر ان مدارس کی کمزوریوں کی نشاندہی کی اور انکے تدارک کے طریقے بتائے۔

مولانا مسیح اللہ خان فرماتے ہیں :۔ دیکھو دنیا اللہ کی درسگاہ ہے ۔ کیا اس درسگاہ میں حق تعالیٰ نے سب اولیاء ہی پیدا فرمائے، یا انبیاء کرام ہی پیدا فرمائے ۔ صرف کامل العقل ہی پیدا فرمائے ۔ نہیں بلکہ ہر قسم کے پیدا فرمائے کم عقل بھی کامل العقل بھی، مالدار بھی غریب بھی، حسین بھی اور خوبصورت بھی، بھائی جہاں پھلواری ہوتی ہے وہیں کانٹوں دار جھاڑیاں بھی ہوتی ہے ۔ اسلیے مدرسہ میں ہر قسم کے طلبہ تیار ہونا خیر ہی کا باعث ہے ۔ ورنہ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو مدرسہ میں روٹی کے مستحق تو دو چار ہی ہوتے ہیں مگر ان دو چار کے طفیل میں روٹیاں کھلانی پڑتی ہے دو سو چار سو کو کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ آپ انتخاب شروع کریں اور وہ چار بھی نکل جائیں (۱۰)

اسی موضوع پر حضرت حسین احمد مدنیؒ کا موضوع ہے :۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تعلیم ہی کا کارخانہ بنایا ہے " وعلم آدم الاسماء " اس آیت سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے مدرس اللہ تعالیٰ اور طالب علم حضرت آدم علیہ السلام ہیں (۱۱)۔

---

(۸). معارف مسیح الامت: صفحہ ۵۳

(۹). ملفوظات فقیہ الامت جلد: صفحہ ۵۳

(۱۰). معارف مسیح الامت: صفحہ ۴۲

(۱۱). سیرت شیخ الاسلام: جلد نمبر ۲، صفحہ ۵۶۸

چندہ کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ملفوظ ہے :۔ میں چندہ کی تحریک کا مخالف نہیں ہوں مگر طریق کا مخالف ہوں ۔ میرے نزدیک اس کی تحریک رؤساء کریں ۔ مولوی نہ کریں ، کیونکہ رؤساء خود بھی دیتے ہیں اور انکی تحریک سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا اور مولوی چونکہ خود نہیں دیتے اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ کھانے کے واسطے کر رہے ہیں (۱۲) اسی موضوع پر حضرت حسین احمد مدنیؒ کہتے ہیں : جن لوگوں کی آمدنی سب کی سب یا اکثر اور غالب حصہ حرام کا ہوگا اور یقیناً معلوم ہے تو ائمہ و مؤذنین وغیرہ کو انکی دی ہوئی تنخواہ یا کھانا جائز نہیں ہے ۔ اور اگر اکثر حصہ حلال ہے جو کہ حرام سے مخلوط ہوگیا ہے یا علم نہیں تو جائز ہے ۔ (۱۳) ۔

اسی موضوع پر مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کا ملفوظ ہے :۔ چندہ کا کام بڑی ذلت کا ہے ۔ عالم اور مولوی کی شان کے لائق نہیں ۔ مدرسہ چلانا مقصود بالذات نہیں رضاء الہیٰ اصل ہے ۔ اگر مدرسہ نہیں چلے گا یا اس میں کچھ خلل واقع ہوگا تو اس کے ذمہ دار بستی والے ہوں گے ۔ عالم کا کام تو چھوٹوں بڑوں کی تربیت کرنے کا ہے ۔ (۱۴)

مدارس میں جسمانی سزاؤں کے متعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ملفوظ ہے :۔ میں نے اپنے مدرسہ کے معلموں کو بچوں کو مارنے سے منع کردیا ہے ، کیونکہ یہ لوگ حدود سے تجاوز کرجاتے ہیں اور شفاء غلط کیلئے مارتے ہیں ۔ ایسے زدوکوب کی اگر ولی اجازت بھی دیدے تو بھی درست نہیں ۔ میں نے دو سزائیں مقرر کر رکھی ہیں ۔ ایک کان پکڑوانا .... دوسری اٹھنا بیٹھنا اسمیں دونوں اصلاحیں ہوجاتی ہیں ، جسمانی بھی کہ ورزش ہے ، نفسیاتی یعنی اخلاقی بھی کہ زجر ہوجاتا ہے (۱۵)

مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کا ارشاد ہے :۔ استاد کا طلبہ کی اتنی پٹائی کرنا جس سے ہڈی نہ ٹوٹے جائز ہے ، اس لئے کہ استاذ کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں مارتا وہ بچہ کی تربیت کرنے کی غرض سے پٹائی کرتا ہے ۔ مگر اس زمانے میں استاد کو چاہئے کہ بالکل پٹائی نہ کرے ، ماں باپ بچوں کی شکایت سنتے ہیں اور اسی کو سچ اور صحیح سمجھتے ہیں ۔ استاد کچھ بھی وجہ بیان کرے اسے غلط ہی خیال کرتے ہیں ۔ اسلئے اب تو بالکل پٹائی کرنے کا زمانہ نہیں رہا ۔ ملاطفت اور نرمی سے پڑھانا چاہئے ۔

---

(۱۲) ۔ کلمۃ الحق : ص ۱۲

(۱۳) ۔ سیرت شیخ الاسلام : جلد نمبر ۲ : صفحہ نمبر ۲۱۱

(۱۴) ۔ معارف مسیح الامت : صفحہ ۱۴۰

(۱۵) ۔ کلمۃ الحق : صفحہ نمبر ۸۶

شوق پیدا کرنا چاہیئے ۔ جتنا بھی بچے پڑھ لیں ، علم گھول کر پلانا استاذ کا کام نہیں (١٦)

اسی بارے میں مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا ملفوظ ہے :- استاذ طالب علم کو کسی قول و فعل سے خفا ہوکر اس کو درسگاہ سے نکال دیتا ہے ۔ سبق نہیں پڑھاتا یہ اکثر ہیجان نفس کی وجہ سے ہوتا ہے اخلاص اور طالب علم کی اصلاح کیلئے بھی بہت کم ہوتا ہے ۔ (١٧)

اساتذہ کے فرائض کو مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ واضح فرماتے ہیں :- کل ایک مولوی صاحب آئے تھے ، میں ان سے کہہ رہا تھا کہ مولوی صاحب تم آجاتے ہو کچھ بات ہم اپنی کہہ لیتے ہیں کچھ تمھاری سن لیتے ہیں ۔ دیکھو پڑھنے والے بچوں سے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہ کرنا کہ تم مکھن لاکر دو ۔ تم چھاچھ لاکر دو ۔ ارے فلاں تم دودھ لاؤ وغیرہ اس میں دین کا بھی نقصان ہے کہ بہت سے بچے تعلیم سے رہ جائیں گے ، آنا ترک کردیں گے اور جو آئیں گے ان میں وہ عفلت نہ رہیگی اگر تم نے اس پر عمل کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ تمھاری ہر جگہ جیت ہوگی ۔ (١٨)

طلب کے ساتھ عوام کے سلوک پر حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے :- طلبہ کو لوگ ذلیل سمجھتے ہیں ، اس واسطے میں ان کو کسی کے گھر جانے نہیں دیتا مگر معلوم نہیں ان میں اس کے علاوہ کیا سبب ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں لگ رہے اور یہ آیت پڑھی " مانقموا منھم الا ان یومنوا باللہ " (١٩)

مزید فرماتے ہیں :- شروع شروع میں یہاں قصبہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم طلبہ کو کھانا دیں گے ، میں نے کہا جیسا مہمانوں کے پاس سینی میں بھیجتے ہو اگر اسی طرح یہاں لاکر دینا منظور ہو تو بہتر ورنہ منظور نہیں ، چونکہ درخواست انکی طرف سے تھی اس واسطے ہم کو شرط لگانے کا حق تھا اگر درخواست ہماری طرف سے ہوتی تو ان کو شرط لگانے کا حق تھا ۔ (٢٠)

شیطان کا طلبہ کو اپنے مقصد سے غافل کردینا :- مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کبھی کبھی شیطان آدمی کو غیر اہم چیزیں مشغول کردیتا ہے ۔ مطالعہ و تعلیم کے زمانے میں کثرت نوافل میں مشغول ہونا کوئی اچھی چیز نہیں ۔ میرے چچاجان کے یہاں نفلوں کا غلبہ تھا اور والد صاحبؒ کے یہاں تعلیم کا غلبہ تھا

---

(١٦). معارف مسیح الامت ۔ صفحہ نمبر ١٦٧

(١٧). ملفوظات فقیہ الامت ۔ جلد نمبر ٣ ، صفحہ نمبر ٤٣

(١٨). معارف مسیح الامت ۔ صفحہ نمبر ٩١

(١٩). کلمۃ الحق ۔ صفحہ نمبر ٢٧

(٢٠). ایضاً ۔ صفحہ نمبر ٣٠ ۔ ٣١ ۔

والدصاحبؒ گنگوہ میں میزان سے مشکوۃ تک تنہا مدرس تھے ۔ طلبہ کی تعداد تقریباً (۸۰) تھی ۔ بیسوں سبق خود پڑھاتے تھے ، اوپر کی جماعت کے طلباء کو نیچے کے اسباق دے رکھے تھے۔ میرے بچپن کا قصہ ہے کہ اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ کے حجرے کے ساتھ لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی۔ اباجان نے ایک زور کا تھپڑ مارا اور فرمایا کہ سبق نہیں یاد کیا جاتا۔ اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی دوسروں کو بھی پڑھانے نہیں دیتے ۔ مگر جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی اور وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کیلئے تھا (۲۱)

طلبہ کی شعر گوئی کے ایک تذکرے پر مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے فرمایا :-

اتر جب طالبان علم پر ہوتا ہے شیطاں کا
خیال شاعری میں وقت کو برباد کرتے ہیں

پھر فرمایا کہ شعر گوئی کوئی کمال نہیں اسی لئے حضور اقدس ﷺ کو عطا نہیں کی گئی ارشاد خداوندی ہے :

" وما علمناہ الشعر " (۲۲)

رسوم وبدایات :- علماء دیوبند کی بدعات ورسوم کے خلاف جنگ ہم سے مخفی نہیں ۔ اس ضمن میں چند ملفوظات ملاحظہ ہوں :

عرس وسماع پر شیخ زکریاؒ کا ملفوظ ہے :- سماع وعروس کی ابتداء صحیح تھی مگر بعد میں اس میں بہت سی بدعات گھس آئیں ۔ اس لئے علماء و مفتیوں کو بدعت وناجائز کہنا پڑا ...... عرس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلفاء وارادتمند سال میں ایک دن تعارف وملاقات وحلقۂ اثر بڑھانے کیلئے جمع ہوتے تھے ..... بہرحال ابتداء میں یہ چیز اچھی تھی مگر بالآخر رسومات نے ان کو بدعت بنادیا ۔ (۲۳)

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :- میں تو احباب سے کہا کرتا ہوں کہ بدعت کو مٹانے کیلئے بدعت سے مت روکو ۔ پیرجیوں کو جو بدعت میں سے آمدنی ہوتی ہے اس سے روک دو ۔ یعنی ان رسوم میں انہیں کچھ مت دو اس سے بدعت خود بخود رک جائیگی ۔ (۲۴) ۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ارشاد ہے :- رسوم وبدعات کے سلسلہ میں اچھا یہی معلوم ہوتا ہے کہ احباب واعزہ کو مطلع کردیا جائے ۔ خواہ لوگ متکبر کہیں یا متواضع ہاں ان کے ساتھ میل جول

---

(۲۱) صحبتے باولیاء : مرتبہ ڈاکٹر مولانا تقی الدین ندوی : دارالتالیف والتصنیف جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظمگڑھ : ص ۱۴۰

(۲۲) ملفوظات فقیہ الامت : جلد نمبر ۳ ، صفحہ نمبر ۴۴ (۲۳) صحبتے باولیاء : ص ۱۳۳ (۲۴) کلمۃ الحق : ص ۱۳۳

محبت اور خوش خلقی میں کمی نہ کی جائے۔ مکرر اینکہ رشتہ داروں کے طعنے اور بدزبانی پر زیادہ تحمل کریں اور جہاں تک ممکن ہو قطع علائق اور سخت گوئی کو پاس نہ آنے دیں۔
ان کے مطاعن کو عفو کی نظر سے دیکھیں (۲۵)

★ ★ ★ جہاد آزادی اور اسلامی حکومت کیلئے مساعی ★ ★ ★

اس ضمن میں چند ملفوظات پیش ہیں:

مسیح اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:۔ ایک ہے حکومت اور ایک ہے حکمت۔ حکومت اوپر ہے اور حکمت نیچے، حکمت گہری اور باطنی چیز ہے اور اس کا درجہ بلند اور اونچا ہے۔ حکومت ظاہری چیز ہے اس کا درجہ گھٹیا اور کم ہے۔ بلاحکمت کے حکومت نہیں کرسکتا..... جس حاکم کو حکمت نہ آتی ہو اس کی حکومت چلی گئی ختم ہوگئی۔ آج کل علماء کی اصطلاح میں حکمت کو جوکہ شریعت کی اصطلاح ہے سیاست کہتے ہیں یہ بھی شریعت کا ایک عظیم الشان اور اہم چیز ہے، جس کو آج کی دنیا کے لوگ دین سے خارج سمجھتے ہیں، حالانکہ مرشدی ومولائی کا ہی فرمان ہے کہ وہ دین نہیں جس میں سیاست نہیں اور وہ سیاست نہیں جو دین کے تحت نہیں (۲۶)

مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں: جہاد تلوار سے ہی نہیں ہوتا بلکہ جہاد کے متعدد ذرائع ہیں یہ مذہبی جلسے بھی کفر کے خلاف جہاد ہیں (۲۷) مزید فرماتے ہیں: آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اس لئے انسان کو اس کے حصول کیلئے کوشش کرنا ضروری ہے اگر کوئی چیونٹی بن کر محض دشمن کے کاٹ ہی سکتا ہے تو اسے ضرور کاٹنا چاہیے۔ (۲۸) انہی کا ملفوظ ہے:۔ فریضہ جہاد ادا کرنے اور اس کے عمل میں لانے کیلئے کسی قسم کے ہتھیار اور خاص طریقہ جنگ کی قید نہیں ہے، بلکہ ہر وہ عمل اور ہر وہ ہتھیار جو کہ دشمن کو زک پہنچا سکے اور اقتدار اور شوکت میں ضرر رساں ہو وہ اختیار کرنا لازم اور واجب ہے۔ (۲۹)

مزید کہتے ہیں:۔ مکمل آزادی اسلام اور مسلمانوں کے مطمح نظر ہونا چاہیے قواعد شرعیہ کی بناء پر اگر مسلمان اس سے غافل ہوئے تو عنداللہ ماخوذ ہوجانے کے مستحق ہوں گے۔ مسلمانوں پر حسب طاقت ضروری ہے کہ اس راہ میں گامزن رہیں۔ ہماری جبتک جان میں جان ہے اپنی طاقت کے موافق آزادی کیلئے سعی کریں گے خواہ کوئی ہمارا ساتھ دے یا نہ دے اللہ ہمارا ولی ہے(۳۰)

---

(۲۵) سیرت شیخ الاسلام: جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۵۹۵ (۲۶) معارف مسیح الامت: صفحہ نمبر ۱۷۴

(۲۷) سیرت شیخ الاسلام: جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۵۶۵ (۲۸) سیرت شیخ الاسلام: جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۵۶۵

(۲۹) ایضاً ایضاً، صفحہ نمبر ۵۶۵ (۳۰) ایضاً ایضاً صفحہ نمبر ۵۶۶

★ ★ ★ اصلاح معاشرہ ★ ★ ★

اللہ تعالیٰ نے ان علماء کے علم وتقویٰ اور دن رات کی قربانیوں کے بدلہ انکو ایسی قبولیت بخشی تھی کہ دن رات معتقدین کا ہجوم انکے آگے پیچھے پروانوں کی طرح موجود رہتا ہے اور اس طرح ان علماء سے لوگوں کی قربت اور دن رات انکے ملفوظات ومواعظ کا سننا معاشرے میں اصلاح اور اسلامی روح کے پیدا کرنے کا باعث ہوتا۔ مندرجہ ذیل ملفوظات سے اسکا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کا ملفوظ ہے کہ آدمی کو یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ دوسرے ہمارے ساتھ کیا سلوک کررہے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مجھے شریعت عرف عقل وقرابت کے اعتبار سے کیا معاملہ کرنا چاہئے۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء   اگر مردی احسن الی من اساء (۳۱)

مولانا مسیح اللہ خان صاحب کہتے ہیں:۔ خلاف طبع بات کا پیش آنا تو سب ہی کو ہوتا ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ دوستی بھی ختم محبت بھی ختم سالہا سال کے تعلقات بھی ختم یہ تو پوری حیوانیت ہوگی۔ تم نے کتوں کو دیکھا ہوگا کہ ابھی ابھی کھلاری کررہے تھے۔ پیار کررہے تھے اور جہاں کسی نے ہڈی ڈالی بس فوراً ہی ایک دوسرے کے دشمن ہوجاتے ہیں۔ لہذا اگر انسان میں بھی تحمل نہیں ہے تو وہ انسان کی شکل میں تو ضرور ہے مگر اپنی صفات سے حیوانوں میں ملحق ہوگیا (۳۲)

مولانا مسیح اللہ صاحبؒ ہی کا ملفوظ ہے:۔ عالم کی تمام موجودات کا ادب کرنا چاہئے، موجودات میں تمام انواع، اجناس داخل ہیں۔ ادب کہتے ہیں ہر ہر چیز کے حق کی ایسی رعایت رکھنا جس سے اس کو راحت وآرام پہنچے اس شئی کا ضرر اور نقصان نہ ہو محض تعظیماً کھڑے ہوجانا یا جھک کر سامنے بیٹھ جانا وغیرہ ادب نہیں۔ دل میں عظمت ہو جوارح میں اطاعت ہو یہ ادب ہے۔ اگر کسی بزرگ کو دست بوسی سے تکلیف ہوتی ہو تو ان کی دست بوسی کرنا سخت بے ادبی ہے (۳۳)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ لوگ مجھ کو تکلیف دیتے ہیں اور میں اپنی تکلیف کا اظہار کرتا ہوں تو مجھ کو کہتے ہیں کہ بداخلاق ہے۔ کیا تو تکلیف دینا بد خلقی نہیں مگر اسکا اظہار بداخلاقی ہے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ کسی کو سوئی چبھورے اور وہ چلائے تو کہنے لگے کہ بد خلقی سے کیوں چلاتا ہے (۳۴)

---

(۳۱) صحبتے باولیاء: صفحہ نمبر ۹۳ (۳۲) معارف مسیح الامت: صفحہ ۱۸۸ (۳۳) معارف مسیح الامت: ص ۱۴۹
(۳۴) کلمۃ الحق۔ صفحہ نمبر ۹

حضرت حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں :- محبت اور مودت کے معنی یہ نہیں کہ میرے عیوب سے چشم پوشی کریں بلکہ یہ لازم ہے کہ مجھ کو میرے عیوب پراور میری کمزوریوں پر متنبہ فرماتے رہیں (۳۵) ۔ مزید فرماتے ہیں :- اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو ان سے نفرت نہ کرنا چاہئے ...... اگر وہ ہم سے چھوت چھات کریں تو ہم کو ایسا نہ کرنا چاہئے ۔ وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں ہم کو ان کے ساتھ ظالمانہ اور غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہئے ۔ اسلام پدر شفیق ہے ، اسلام مادر مہربان ہے ، اسلام ناصح خیرخواہ ہے ۔ اسلام جالب اقوام ہے اسلام ہمدرد بنی نوع انسان ہے ، اس لئے غیروں سے " جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا " پر کاربند ہوناشایان شان نہیں (۳۶)

انہی کا ملفوظ ہے :- آدمی کی بھلائی صرف سننے دیکھنے اور خط وکتابت ، تقریر و تحریر سے نہیں معلوم ہوتی ، بلکہ اس کے پاس رہنے معاملات کے غائرانہ نظرسے جانچنے ۔ اس کے ساتھ معاملات کرنے ، سفر وحضر میں رہنے سے مدتوں میں پتہ چلتا ہے ۔ (۳۷)

★ مختلف شخصیات کے بارے میں آراء ★

علماء دیوبند کا یہ خاص شیوہ رہا ہے کہ کسی بھی شخصیت پر رائے زنی سے قبل مکمل تحقیق کرلی گئی ہو اور اسمیں اعتدال کے دامن کو نہ چھوڑا جائے ۔ اس ضمن میں چند ملفوظات پیش ہیں :

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ملفوظ ہے :- شاہ ناک جنکو سکھ لوگ بہت مانتے ہیں ۔ حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں ، چونکہ اہل جذب سے تھے اس وجہ سے انکی حالت مشتبہ ہوگئی ، مسلمانوں نے کچھ اس طرف توجہ نہ کی ۔ سکھ اور دوسری قومیں کشف وکرامات دیکھ کر ان کو ماننے لگے (۳۸)

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے سامنے حضرت معاویہؓ کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ بعض لوگ ان کو برا کہتے ہیں تو ارشاد فرمایا : حضور اکرمؐ کی دعا تو مقبول ہے ؟ انکے حق میں حضرت نبی کریمؐ کی دعا ہے " اللھم اجعلہ ھادیا و مھدیا واھدبہ " یعنی اے اللہ معاویہؓ کو ہادی و مھدی بنا اور انکے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے (کذافی مشکوۃ ج ۲ ص ۵۷۹) پھر تاریخ کی رطب ویابس روایات کی بنا پر

---

(۳۵) سیرت شیخ الاسلام ، جلد نمبر ۲ ، صفحہ ۵۹۱

(۳۶) سیرت شیخ الاسلام : جلد نمبر ۲ ، صفحہ ۵۹۵

(۳۷) سیرت شیخ الاسلام : جلند نمبر ۲ ، صفحہ ۶۱۶

(۳۸) تذکرہ الرشید : مولانا عاشق الہیٰ میرٹھی مکتبہ خلیلیہ متصل مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور : ج ۲ ، ص ۲۲۲

ان کو برا کہنے کی جرات کیسے کی جاسکتی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے ہمایوں بادشاہ کی درخواست پر حضرت معاویہؓ کے مناقب میں مستقل کتاب تصنیف فرمائی جس کا ترجمہ لکھنؤ میں ہوا۔ اس کا نام ہے "تطہیرالجنان واللسان عن مثالب معاویہؓ بن ابی سفیان" (۳۹)

طنزومزاح :-

طنزومزاح ادب کی ایک مستقل صفت ہے۔ ویسے تقریباً سبھی علماء کے پاس اسکی کچھ نہ کچھ باوقار شکلیں ملتی ہیں مگر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں مزاح وظرافت اور حاضر جوابی کی جھلکیاں زیادہ نظر آتی ہیں۔

ایک ارشاد تھانویؒ ہے :- شورش کے زمانے میں مظفر نگر میں ایک ہندو نے لکچر دیا کہا ہم کامیاب اس وقت ہوسکتے ہیں جب ہم میں اتفاق ہو اور اس پر مضحکہ آمیز نکتہ گڑھا۔ کہا جانتے ہو ہم کا کیا مطلب ہے۔ دیکھو لفظ ہم میں دو حرف ہیں ایک (ہ) اس سے مراد ہندو دوسرا (م) اس سے مراد مسلم تو ہا سے مراد ہندو اور (م) سے مراد مسلم ہوئے۔ جاہل لوگ بہت خوش تھے کہ کیا نکتہ ہے؟ پھر کہا ہندو بھائی برا نہ مانیں کہ (م) سے مراد مسلمانوں کو کہا اور (م) لانبی ہے تو مسلمانوں کو بڑھا دیا، بھائی (م) اس وجہ سے لانبی ہے کہ مسلمان دور سے آئے ہیں یعنی ملک عرب سے یہ طول مسافت کا ہے اور ہندو اسی ملک کے باشندے ہیں۔ فرمایا اگر کوئی مسلمان یہ سوال کرتا کہ وہ (م) کے سر پر کیوں چڑھا دیا تو کیا جواب دیتا۔ یہ سب خرافات بکواس ہوا کرتی تھی۔ (۴۰)

ایک بار فرمایا :- ایک شخص نے کارڈ میں ایک طویل مسئلہ پوچھا ہے اور دفع دخل کیلئے لکھتے ہیں کہ یہ تکلیف کی بات تو ہے مگر رنجیدہ نہ ہونا، میں نے لکھ دیا ہے۔ ایسے جواب کے واسطے لفافہ آنا چاہئے۔ اور یہ نصیحت کی بات تو ہے رنجیدہ نہ ہونا (۴۱)

علماء دیوبند کے اس ملفوظات کے سرسری مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے ملفوظات کا بنیادی مقصد عوام کی اصلاح تھا۔ اور انہوں نے اپنی بات کو سمجھانے کیلئے سب سے بہتر ذریعہ یعنی ادب کو استعمال کیا۔ چنانچہ ان کے ملفوظات میں اردو زبان کی بہت سے ضرب المثال کہاوتیں، تشبیہات وتمثیلات اور تلمیحات کا استعمال بہت ہی اچھے انداز میں نظر آتا ہے۔

---

(۳۹) ملفوظات فقیہ الامت، ص ۳۰

(۴۰) کلمۃ الحق، صفحہ نمبر ۳۹۔۴۰

(۴۱) ایضاً صفحہ نمبر ۱۴۸

ان کا انداز بیاں منطقی اور استدلالی ہوتا ہے، جس میں کتاب وسنت اور اقوال صحابہ وتابعین سے بکثرت استدلال نظر آتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی بات کو سامع کے دل ودماغ تک بہت ہی مؤثر انداز میں پہنچانے پر قادر تھے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ ان ملفوظات میں زبان وبیان کی شیرینی اور لطافت کے ساتھ ساتھ جو بے ساختگی اور روانی پائی جاتی تھی وہ فطری طور پر انہیں علمی تصنیفات اور عام تحریرات سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بعض بعض ملفوظات ادبی شہ پارے ہیں اور انکی اکثریت بھی ادبیت سے عاری نہیں، بلکہ وہ اپنی ایک منفرد اور اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ملفوظات معاشرہ کی اصلاح کرنے، عوام میں جذبہ عمل اور صحیح فکر اسلامی پیدا کرنے، ان کی خوابیدہ روح کو بیدار کرنے،اور مختلف مسائل کا حل پیش کرنے میں قرآن وسنت کے بعد ایک زبردست ذریعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ مجموعی طور سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علماء دیوبند انسانوں کو ان کے رب غفور کے حضور شکرگزار بندوں کی مانند حاضر کرتے ہیں اور ان کو رحمت الٰہی کی سعادت سے بہرہ مند کرنے میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ ✱

(بقیہ صفحہ 19 سے)

ذکر تھا.... تو اس کے بارے میں سوچ رکھنے والا کون ہے....؟ قائداعظمؒ اسلام کے اصولوں کی برتری چاہتے تھے اور وہ قرآن وسنت پر مبنی نظام چاہتے تھے.... تو کون ہے جو صحیح معنوں میں ان کا جانشین بنے اور اس ملک کو حقیقی اسلامی فلاحی ریاست بنائے....؟ کون ان کے افکار کا محافظ ہے اور ان کی تمناؤں کو بروئے کار لانے والا ہے....؟ کون ہے جو روٹی، کپڑے اور مکان کے مسئلے کو اسلام کے عادلانہ اصولوں کے مطابق حل کرنے کے بارے میں سوچے گا....؟ کون ہے جو عدل وانصاف کے مسئلے کو حل کرے گا؟

سردست مجھے نظر نہیں آتا کہ مسلم لیگ کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ پریشان کن صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ ملک موجود ہے، ملک کو معرض وجود میں لانے کا دعویٰ رکھنے والی جماعت مسلم لیگ موجود ہے، اقتدار پر بھی اس کا قبضہ ہے، لیکن وہ اس نظریے سے محروم ہوچکی ہے جس کے لیے یہ ملک بنا تھا۔ مسلم لیگ ملک کو نظریے کے بغیر چلارہی ہے۔ اس طرح بہت بڑا خلا واقع ہوچکا ہے۔ ایک طرف مسلم لیگ ہے جو نظریہ پاکستان کی نمائندگی نہیں کررہی ہے۔ دوسری طرف نہرو کی سوچ کے مطابق سامراج کے ردعمل میں جو جماعت بنی تھی اس کا بھی سورج غروب ہورہا ہے۔ نصف صدی گزر جانے کے باوجود نظریہ پاکستان آج بھی پاکستان میں یتیم ویسیر ہے، اس کا پرسان حال کوئی نہیں۔ اس وقت اس کو شدید سرپرستی کی ضرورت ہے۔ تو کیا ایسی سیاسی قوت وجود میں لائی جاسکتی ہے، جو موجودہ حالات میں پاکستان کے نظریے کی محافظ اور قائداعظم کے نصب العین کے بارے میں یکسو ہو ؟۔

امریکی شیطان اکبر کی شرمناک دہشت گردیاں اور انسانی حقوق کی پامالیاں
امریکی جیل سے شیخ عمر عبدالرحمٰن کا کھلا خط عالم اسلام کے نام

شیخ عمر عبدالرحمان .... ایک ایسا نام جس کا تذکرہ امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ میں آئے روز پڑھنے کو ملتا ہے۔ آجکل میسوری ریاست کی سپرنگ فیلڈ جیل میں قید کاٹ رہے ہیں۔ مصر سے تعلق رکھنے والے عمر عبدالرحمان کا جرم جرم بے گناہی ہے۔ انہوں نے (امریکی) جیل سے مسلمانوں کو مخاطب کیا تو یہ سال گذشتہ کے ابتدائی ایام تھے لیکن ان کے الفاظ کی روشنائی آج بھی بتارہی ہے کہ عالمی انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اقوام متحدہ اور دیگر عالمی تنظیموں کے ہاں حقیقت میں "حق" اور انسانی حقوق کسے کہتے ہیں؟۔ ظلم وجور کی یہ کہانی آپ بھی سنیے اور سنانے والے خود عمر عبدالرحمن ہیں۔ لیجیے ملاحظہ کیجیے ان کا خط۔ آپکے نام، ہر مسلمان کے نام:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ تمام درودوسلام اس ذات گرامی پر جو تمام رسولوں کا رسولؐ ہے۔ سلام حضرت محمدؐ اور آل محمدؐ کے لیے اور ان کے لئے جو سچے دل سے ان کی پیروی کرنے والے اور روز آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔

جس جیل میں مجھے رکھا گیا ہے وہاں کی حالت انتہائی ناقابل بیان حدتک خراب ہے۔ امریکیوں کا مذہب اور عبادت کی آزادی دینے کا دعویٰ شدید دھوکہ ہے۔ جھوٹ ہے جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء سے لے کر اب تک ایک بار بھی مجھے نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہاں تک کہ باجماعت نماز ادا کرنے کے حق سے بھی محروم رکھا گیاہوں۔ جیل کے حکام کا سلوک متعصبانہ اور امتیازی ہے۔ جب دوسرے قیدی گارڈ کو بلاتے ہیں تو کئی ایک افراد دوڑے آتے ہیں اور ان کا مسئلہ حل کرتے ہیں۔ میں گھنٹوں آوازیں دیتا اور منتظر نگاہوں سے دیکھتارہتا ہوں لیکن میری آواز نقارخانے میں طوطی کی آواز بن کے دب جاتی ہے۔ مجھے بال بنوائے اور ناخن کاٹے مہینوں گزرجاتے ہیں لیکن کوئی میری بات نہیں سنتا۔ مجھے مجبور کیا جاتا ہے کہ میں غلاظت سے بھرے کپڑے خود صاف کروں کہ یہاں غلاظت اٹھانے کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے۔ مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا ہے۔ میں ذیابیطس کا مریض اور آنکھوں سے معذور ہوں۔ مجھے ضرورت رہتی ہے کہ کوئی شخص میرے ساتھ رہے اور مختلف چیزوں کے استعمال میں مدد دے سکے۔ کئی دن تو گزرجاتے ہیں اور میں کسی انسان سے بات کرنے کو ترستارہتا ہوں۔ اگر کوئی آئے بھی تو وہ انگریزی بولتا ہے۔ جب کہ میں صرف عربی جانتاہوں۔ یونہی روزوشب گزرتے ہیں۔ کیا

تنہائی ہے کہ خود سے بھی بعض اوقات اجنبیت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ مجھ سے مسلمان ہونے کا انتقام لیا جارہا ہے۔ کیا یہی انسانی حقوق ہیں جن پر یہ لوگ اس قدر فخر کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کی گردان کرتے الیکٹرانک میڈیا پر یہ تھکتے نہیں اور اخبارات کے صفحات سیاہ کرتے جاتے ہیں لیکن ہماری آواز سننے والا بھی کوئی نہیں۔ یہ کیسی بے چارگی ہے؟

کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ آپ کے جسم کی تلاشی لی جائے۔ آپ کے جسم کے ایسے حصوں کو کنگالتے کردیا جائے جنہیں آپ خود بھی دیکھنا بے شرمی خیال کرتے ہیں۔ آپ کے جسم سے سارے کپڑے اتارلئے جائیں اور یوں محسوس ہو کہ آپ کی عریانی وہی عریانی ہے جو پیدائش کے لمحہ میں تھی۔ اللہ جانتا ہے کہ جب بھی کوئی بھائی یا بہن مجھ سے مل کر جاتے ہیں تو بعد میں میرا حال اسی طرح کا کردیا جاتا ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ امریکہ میں میرے کوئی عزیز یا خاندان کے افراد نہیں ہیں اور عام مسلمان ہی ملنے آتے ہیں۔ ہر کسی کے ملاقات کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے دوبارہ عریاں کردیا جائے گا۔ وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں سارے کپڑے اتاردوں۔ میں ان سے التجا کرتا ہوں کہ خدا کے لیے بس کرو۔ لیکن چیف گارڈ کرلنگ اور ان کا معاون ڈے اپنے کئی ساتھیوں کے ہمراہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اپنی ٹانگیں پھیلاکر آگے کی جانب جھک جاؤں ...... میں آپ کو شرم کے مارے بتا نہیں سکتا کہ وہ میرے ساتھ اس کے بعد کیا کچھ نہیں کرتے۔ وہ جانوروں کی طرح بن جاتے ہیں اور مجھ سے جانوروں کا سلوک کرتے ہیں۔ لیکن مجھ پر جو دباؤ ہے اسے دور کرنے کیلئے میں مسلم امت کو بتانا چاہوں گا کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ امت کہاں سورہی ہے اور اپنی ذمہ داریوں سے کیوں بے خبر ہے....؟ وہ میرے جسم کے خفیہ حصوں کو تلاشی لیتے ہیں وہ میرے اردگرد کھڑے یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور قہقہے لگاتے ہیں۔ ان کے مختلف گروہ باری باری میرے جسم کے زیریں حصوں کو کھنگالتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ ایسا کرنے کیلئے ان میں مقابلہ ہورہا ہو۔ وہ مجھے اس طرح ذلیل کرتے ہیں۔ اور مجھ سے مسلمان ہونے کا انتقام لیتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ نے اس سے سختی سے منع کیا ہے۔ میری مسلمانی میرے لئے آزمائش بنادی گئی ہے۔ اور پھر وہ ایسا کیوں نہ کریں۔ انہیں شکار مل گیا ہے انہیں ان کی منزل مل گئی ہے۔ آخر وہ میرے جسم کے زیریں خفیہ حصوں میں سے کیا تلاش کرتے ہیں؟ کیا وہ اسلحہ تلاش کرتے ہیں، دھماکہ خیز مواد کی تلاش میں پھرتے ہیں؟ یا پھر منشیات ڈھونڈتے ہیں جو ان کے خیال میں میرے ملاقاتی مجھے دے جاتے ہیں۔ میرے ساتھ دوبار یہ کام کیا جاتا ہے۔ میرے دل میں یہ تمنا ابھرتی ہے کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سماجاؤں۔ کم از کم اس اذیت سے تو نجات مل جائے گی۔ کیا اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرنے والوں کو یہ عمل خوش کرسکتا ہے؟

فقط آپ کا: عمر عبدالرحمان

راشدالحق سمیع

ذوق پرواز

آخری قسط (۸)

سفرنامہ یورپ

کاروان شوق ہر منزل سے آگے بڑھ گیا
میری ہر منزل غبار رہ گزر ہوتی گئی

یہ ذوقِ پرواز کی آخری قسط ہے۔ اور میں خود حیران ہوں کہ ذوق پرواز کے اس طویل سفر کے سلسلے کو کیسے اتنا عرصہ جاری رکھ سکا۔ ابتدا میں پندرہ بیس صفحات لکھنے کا خیال تھا۔ پھر قلم گھسیٹتے گھسیٹتے سو(۱۰۰) صفحات سیاہ کریگا۔ تاہم اس کے بعد اب مزید خامہ فرسائی نہیں کروں گا۔ یہ داستان دراز اور قصہ طولانی سے یقیناً معزز قارئین "الحق" اکتا چکے ہونگے۔ کیونکہ کل مبذول مملول (زیادہ مستعمل چیز سے طبیعت اکتا جاتی ہے) اور پھر ذوق پرواز میں کونسے ایسے نکتہائے خرد افزاء اور دقیق لطائف ہیں... بلکہ رطب ویابس کا ایک مجموعہ ہے۔ اور بہت سے قارئین اس سلسلے کی طوالت کے بارے میں مرزا سودا کا شعر اپنے ساتھ پڑھتے ہونگے۔

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

ان اوراق پریشاں کا یہ دفتر اور گردوغبار کا یہ مجموعہ اور حکایت برق وخرمن کو پڑھتے پڑھتے آپ کا دامن فکر بھی غبار آلودہ ہوا ہوگا۔ پہلی قسط شائع ہونے کے بعد لوگوں نے اس سلسلے کو جاری رکھنے کی تلقین کی اور بڑوں نے حکم دے دیا کہ اب مکمل کرکے چھوڑنا ہے۔ (والامر فوق الادب) اور یوں طبع آزاد نے خاطر دوستاں کی خاطر کچھ نہ کچھ لکھنا جاری رکھا۔ اگر چہ یہ امر مشکل تھا کہ مدرسہ میں تدریس اور انتظامی امور کے ساتھ ساتھ ہرماہ رسالہ کی تیاری اداریے اور پھر ذوق پرواز کیلئے مواد پیدا کرنا میرے ناتوان کندھوں پر تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر پریشانیاں اور "مسائل شتیٰ" کا بھی سامنا تھا اور اس کے ساتھ پھر "رہین ستم ہائے روزگار" بھی رہا، لیکن قارئین کی دل لگی کے لیے خامہ فرسائی کرتا رہا۔

گومیں رہا رہین ستم ہائے روزگار لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

بالآخر آپ جیسے مخلص قارئین کی دعاؤں سے منزل پر پہنچ کر ہی دم لیا۔
اور حکایت جنوں کو اب ودہن سے جگمگاتا رہا۔ کہ

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

لنڈن کے چند اہم مقامات:۔

لنڈن میں بی بی سی یعنی برٹش براڈ کاسٹنگ کی عمارت شہر کے درمیان واقع ہے۔ یہ بلڈنگ بھی وہی روایتی، پرانی انداز میں بنی ہے۔ یہ عمارت نہ بہت بڑی اور نہ ہی بہت چھوٹی۔ اسی مقام سے ساری دنیا میں "جھوٹی سچی" خبریں نشر ہوتی ہیں اور دنیا کی سب سے زیادہ خبریں اسی مقام سے سنی جاتی ہیں۔ خصوصاً برصغیر میں تو اس کے سننے کا بڑا ہی اہتمام ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑی وجہ غلامی کے اثرات بھی ہیں۔ بی بی سی کی عمارت جب پہلی مرتبہ دیکھی تو حیرت ہوئی کہ ساری دنیا میں اتنا چرچا شور شرابا اور جب یہاں دیکھا تو اس شعر کے مصداق پایا:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

لنڈن کا گورستان شاہی (ویسٹ منسٹر ایبے):۔

لنڈن میں میں "ویسٹ منسٹر" کے گورستان شاہی (منزل حسرت افزا) پر بھی "حاضری" دینے گیا۔ جہاں پر شاہوں کی درمیان علم وفضل کے وہ وہ آسماں زیر زمین دفن ہیں۔ مثلاً ولیم شکسپیئر جو انگلستان و یورپ کا سب سے بڑا رائٹر، ادیب، فنکار، شاعر اور ڈرامہ نگار یہیں زیر خاک ہے۔" واروکشائر " کے ایک گاؤں (سٹرالفورڈ) میں غالباً ۲۳ اپریل ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ آسمان علم وفضل کے درخشاں ستارے کے والدین بالکل کورے ان پڑھ تھے۔ اس نے بھی گاؤں کے پرائمری سکول میں روایتی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ یہ بعد میں مختلف حیثیتوں سے کام کرتا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کی شہرت بڑھتی گئی۔ اور یہ ایک کامیاب رائٹر اور ڈرامہ نویس بن گیا۔ انگلستان میں صرف اور صرف اس کا طوطی بولتا تھا۔ اور ملکہ الزبتھ اول کی سرپرستی اسے حاصل رہی۔ مغربی علم وادب اور فن وثقافت پر شکسپیئر کے بہت زیادہ اثرات پڑے ہیں۔ بلکہ ہمارے ایشیا میں بھی پڑھے لکھے نوجوانوں کو اس نے بہت متاثر کیا ہے۔ یہ بڑا شاعر بھی تھا اسکی چند مشہور نظمیں یہ ہیں
ونیس اینڈ اوڈنس ۱۵۹۳ء میں شائع ہوئی اور کافی پزیرائی حاصل کی۔ اور ریپ آف لیوکریٹس ۱۵۹۴ء میں منظر عام پر آئی اور سائنٹ ۱۶۰۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ اس نے

ایک تاریخی یادگار وصیت نامہ بھی لکھا۔ جو انگلش ادب میں ایک شہکار وصیت نامہ ہے۔ اردو ادب میں شکسپیئر پر بہت کام ہوا ہے۔ اور اس کی تصانیف کے کئی تراجم ہوئے ہیں۔ ان میں مولوی عنایت اللہ دہلوی سرفہرست ہیں۔ دوسرے حضرات میں صوفی تبسم قاسم محمود اور سید رضوی نمایاں ہیں۔ اس نے کئی شہکار ڈرامے لکھے اور وہ سب کامیاب ہوئے۔ اور سب سے زیادہ شہرت "ہیملٹ" کو حاصل ہوئی۔ اسی قبرستان میں جیوفری چاسر (کنٹر بری ٹیلز) انگریزی شاعری کا باپ مدفون ہیں۔ ۱۳۴۰ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں، اسکی بڑی منظوم کتاب جسمیں ۲۴ کہانیاں درج ہیں کافی مقبول ہے۔ اسکو بادشاہ ایڈور نے اہم عہدوں پر رکھا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۴۰۰ء میں فوت ہوا۔ اس کے علاوہ وہ گلیڈسٹون، آئزک نیوٹن، ڈارون اور ابھی تازہ ہی بات ہے کہ لیڈی ڈیانا کی آخری تقریبات ورسومات بھی اسی ویسٹ منسٹرا ایبے کے گرجے میں ادا کی گئیں۔ جیسے کہ ماضی میں کئی بڑے بڑے لوگوں کے تابوت بعد میں یہاں پر دفنائے گئے۔ کیا عجب برسوں بعد لیڈی ڈیانا کو بھی وہاں کے عوام اپنے آبائی قبرستان سے اس کو اٹھاکر یہاں لے آئیں۔

آکسفورڈ سٹریٹ:۔ لنڈن کا سب سے بڑا شاپنگ ایریا:۔

یہ مقام لنڈن کے بالکل درمیان میں واقع ہونے کی وجہ سے ہر وقت یہاں سیاحوں اور خریداوں کی بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔ انگلستان میں یہ خریداری کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ انگلستان اور یورپ میں ہرجانب خوبصورت جدید انداز میں تعمیر کیے گئے شاپنگ سنٹرز بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے آکسفورڈ سٹریٹ کے شاپنگ پلازے ایک امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان بڑی بڑی دکانوں کا تصور بھی پاکستان یا ہندوستان میں کرنا مشکل ہے۔ یہ بڑے بڑے پلازے کئی کئی منزلوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جس میں بیک وقت سینکڑوں افراد کا سٹاف موجود رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہزاروں گاہکوں کے ہجوم بے کراں کو کنٹرول اور سامان کی دیکھ بھال کیلئے خود کار آٹومیٹک حساس ویڈیو کیمرے ہر جانب خفیہ طور پر لگائے گئے ہوتے ہیں۔ یہ کسی بھی لمحے تغافل نہیں برتتے اور ہر شخص پر "کڑی" نظر ڈالتے ہیں بلکہ سب کو ایک آنکھ سے گھورتے ہیں۔ یہاں کی دلچسپ بات یہ ہے کہ ان خریداری کی دکانوں میں خریداروں سے زیادہ عام آدمیوں کی ریل پیل نظر آتی ہے جو ان دکانوں میں یونہی گھوم پھرکر محض "شوخئ نظارہ" کرتے ہیں۔ میں بھی لنڈن میں دونوں مرتبہ یہاں کی "یاترا" کرنے پہنچا۔ اور پیرس کی طرح یہاں سے خالی جھولی واپس نہیں آیا۔ بلکہ خریدار بنا اور یوں "خریداران یوسف" میں اپنا نام لکھوا لیا اور تھوڑی بہت "سوغات" یہاں سے خریدی۔ یہ

لنڈن کا ایک خوبصورت اور پر رونق مقام ہے ۔ یہاں اکثر کپڑوں ، گارمنٹس ، کوٹ، پینٹس اور دنیا بھر کی اشیاء بکتی ہیں ۔ دنیا بھر میں سے لوگ بطور اعزاز یہاں آکر خریداری کرتے ہیں ۔

لنڈن کا تاریخی اور خوبصورت گھنٹہ (بیگ بین):-

یہ ایک خوبصورت چمک دمک والا مینار ہے ۔ جس کے چاروں " رخساروں " پر بڑی بڑی سوئیاں سجی ہوتی ہیں ۔ یہ ایک بہت بڑی گھڑی ہے ۔ اس مینار نے اتنی شہرت حاصل کرلی ہے کہ اب یہ لنڈن کی علامت بن گئی ہے ۔ یا یوں کہیے کہ یہ لنڈن کی ناک ہے ۔ اور کسی درجہ میں پیرس کے ایفل ٹاور کے مقابل ہے ۔ اس مینار پر بڑا خوبصورت کام ہوا ہے ۔ یہ کافی پرانا ہے ۔ اور دریائے ٹیمز کے کنارے واقع ہے ۔ سیاحوں کے لشکر کے لشکر اس پر کیمروں کے فلشوں کی " ری " کرتے رہتے ہیں ۔ اکثر کھلونوں اور بک سٹورز پر اس کے کارڈز اور ماڈلز فروخت ہوتے ہیں ۔ یہاں بھی کئی دفعہ گیا اور " بالمشافہ " کئی مرتبہ ملنے کا " شرف " حاصل کیا ......

لنڈن کا مشہور دریائے ٹیمز اور چند ساحلی مقامات:-

لنڈن میں دریائے ٹیمز شہر کے درمیان سے گزرتا ہے ۔ یہ صدیوں سے ہی بہتا چلا آرہا ہے ۔ اور انگلستان کے مشہور شعراء اور لکھنے والوں نے اس پر کئی نظمیں لکھیں ہیں ۔ اور پوری دنیا میں اس کے روانی اور جوبن کے جھوٹے قصے مشہور کیے ہوئے ہیں ۔ مجھے بھی کافی اشتیاق تھا کہ آخر یہ کونسا ایسا دریا ہے جس کی مدحہ میں انگریزوں نے دریا کے دریا بہادیئے ہیں ؟(اس سے تو ہمارے گاؤں کا دریائے کابل بدرجہ اتم بہتر ہے)، اور اس دریا کی تعریف میں کئی پل باندھ دیے ہیں ۔ یہ ایک خاموش دریا ہے ۔ کسی لہر کسی مدوجزر کوئی موج اور کوئی ارتعاش اس کے وجود میں نہیں اٹھتا ۔ دیکھنے میں ایک معمولی دریا ہے ۔ انگریزوں نے صرف زیب داستاں کیلئے اس کی تشہیر کی ہے ۔ ویسے یہاں کا لنڈن برج کافی مشہور ہے اور پھر اسی دریائے ٹیمز کے نیچے ۱۸۷۰ء میں ایک (سب وے) بنائی گئی تھی ۔ اور اسی سرنگ سے آمدورفت ہوتی تھی اس وقت دریا کے نیچے یہ بنانا انجنیئرنگ اور انگریزوں کا ایک بڑا کمال تھا ۔ آجکل انگلستان اور فرانس کے درمیان سمندر کے نیچے ایک بہت بڑی سرنگ تعمیر کی گئی ہے جس میں تیز رفتار ٹرینیں چلتی ہیں ۔ یہ بھی سائنس اور انجنیئرنگ کا ایک یادگار تاریخی کارنامہ ہے ۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ پیرس میں بھی بالکل بیچوں بیچ دریاسین گزرتا ہے ۔ شاید قدرت کو بھی معلوم تھا کہ ان دونوں ملکوں اور شہروں میں رقابت ہوگی تو اس لحاظ سے دونوں کو دریاؤں میں بھی یکساں بنایا ۔ لنڈن شہر میں سمندر نہیں بلکہ شمال میں

لنڈن سے کافی فاصلے پر ساحل سمندر ہے۔ اس کو (ساوتھ اینڈ) کہتے ہیں۔ یہاں پر بچوں کا بڑا پلے لینڈ ہے اور سمندر میں ایک لکڑی کا بڑا پل تعمیر کیا ہے۔ جس پر لوگ اکثر گھومتے رہتے ہیں یہاں پر اچھی خاصی دکانیں بھی ہیں۔ اس جگہ کے لیے دو ٹرینیں بدلنی پڑتی ہیں۔ ہم لوگ بھی وہاں پر چند گھنٹے گزارنے گئے۔ اور یہ مقام نہانے کیلئے نہیں۔ کیونکہ یہ بہت ہی مختصر ساحل ہے۔ اور پانی بھی گندہ ہے۔ اسی طرح لنڈن سے باہر برائیٹن ایک چھوٹا شہر ہے۔ یہ سمندر کے کنارے پر بڑے ہی سلیقے اور خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا ہے۔ برائیٹن بھی مصر کے شہر اسکندریہ (جس کو سکندر اعظم نے تعمیر کیا تھا) کی طرح بالکل ساحل کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ برائیٹن ہی کی طرح انگلستان کا ایک اور خوبصورت شہر کاڈیف جو (ویلز) کے خوبصورت علاقے کا صدر مقام ہے۔ یہ بھی ساحل سمندر کے قریب ہے اور بڑا پرسکون اور کشادہ شہر ہے۔ برائیٹن میں بھی ایک بہت بڑا پلے لینڈ بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک کسینو بھی ہے۔ یہاں پر اکثر لوگ اتوار کے دن زیادہ آتے ہیں۔ ہم لوگ بھی وہاں گئے اور راستے میں بارش تھی اور پہلی مرتبہ میں نے انگلستان میں سمندر اسی مقام پر دیکھا۔ یہ ۱۹۹۳ء کی بات ہے۔ اسی طرح لندن میں انڈیا آفس لائبریری بھی ایک قابل دید اور تاریخی نوعیت کی عظیم لائبریری ہے۔ جس میں بلامبالغہ **لاکھوں** کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن زیادہ تر حصہ عالم اسلام اور برصغیر سے لے جایا گیا ہے۔ اب **حکومت پاکستان** اور ہندوستان دونوں اس کی ملکیت کے دعویدار ہیں۔ کہ ہمیں اپنی کتابیں واپس کی جائیں، لیکن انگریزوں نے انکار کر کے صرف فوٹوکاپی دینے کا اعلان کیا ہے۔ انگلستان میں بلکہ پورے یورپ میں مطالعہ کا بہت زیادہ ذوق پایا جاتا ہے۔ اور ہر سال لاکھوں کتابیں چھپتی ہیں اور ہفتوں میں کئی کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتے ہیں۔ اور پہلے سے خریداروں کی باقاعدہ ویٹنگ لسٹ بنائی جاتی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود مادیت کی دوڑ اور ٹی وی، ویڈیو، ڈلش اور نائٹ کلبوں کے ہوتے ہوئے بھی کتاب کا ذوق ماند نہیں پڑا۔ اور ہمارے ہاں اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے کتاب اور مطالعہ دونوں ایک "شغل لایعنی" ہے۔ اسی طرح لندن میں نیشنل آرٹ گیلری بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ میں نے اس کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس میں اتنی قیمتی اور نادر پینٹنگس ہیں کہ اگر انگلستان دیوالیہ بھی ہو جائے تو کم سے کم سو برس تک اس میوزیم کی تصاویر کو بیچ کر "گذارا" کر سکتا ہے۔ لنڈن میں بلنگھم پیلس کا تذکرہ ضروری ہے کیونکہ تاریخ عالم تو شاہوں اور محلات کے ذکر کے بغیر نامکمل اور ناقص ہے......؟ بلنگھم پیلس ۱۷۰۳ء میں بنا اور معمولی ردوبدل کے بعد اپنے اسی طمطراق اور رونق کے ساتھ قائم ہے۔ پچھلی مرتبہ یہاں بھی "حاضری" دینے کیلئے پہنچا۔ یہاں پر کیسے کیسے جارجز اور بادشاہ

گذرے ہیں ۔ آج ان کا نام ونشان بھی نہیں ملتا ۔ بکنگھم پیلس کا اب ایک حصہ سیاحوں کیلئے بھی کھول دیا گیا ہے ۔ اور چند پونڈ کی خاطر ملکہ اور شاہی خاندان اپنے دیوان خانہ اور نوادرات سیاحوں کے سامنے پیش کررہے ہیں ۔ یہاں سے میں ڈاوننگ سٹریٹ پہنچا ۔ یہ ایک چھوٹی سی گلی ہے جس میں انگلستان کے وزیراعظم صاحب کا سکرٹریٹ اور گھر ہے ، جو کہ دوتین بیڈ روم پر مشتمل ہے ۔ ہمارے حکمرانوں نے مغرب کی اکثر برائیاں تو لے لی ہیں لیکن ان حکمرانوں کی طرح اچھائیاں کسی نے اختیار نہیں کی ۔ یہاں تو گھوڑوں اور کرکٹ کھیلنے کیلئے محلات تعمیر کیے جاتے ہیں ۔ برطانوی وزیراعظم کی اس سرکاری رہائش گاہ کو دیکھ کر میں حیرت اور تعجب کے سمندر میں ڈوب گیا ۔ یہاں پر انگلستان کے موسم کا ذکر بھی کرتا چلوں کیونکہ ہر وقت ناسازگار ہوتا ہے ۔ اور سارا سال بارشوں میں نہلایا رہتا اورلنڈن (جہاں پر دنیا کا سب سے پہلا موسمی دفتر قائم کیا گیا) ہفتوں اور دنوں بعد آفتاب کا مکھڑا صرف چند گھنٹوں کیلئے نظر آتا ہے ۔ باقی اکثر بادلوں کے اوٹ میں چھپا رہتا ہے ۔ دیکھئے ایک وقت میں انگلستان کے اقتدار میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا آج اس چھوٹے سے سکڑے جزیرے میں ہفتوں بعد اپنے "درشن" کراتا ہے ۔ انگلستان اور یورپ میں ٹریفک کا نظام بھی مثالی ہے ۔ جس کا تصور بھی یہاں ہمارے ہاں مشکل ہے ۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو مکمل ایک قسط کا متقاضی ہے ۔

مغرب اور عورت :-

مغرب میں عورت کا سیاسی ، سماجی ، معاشرتی ، عائلی مقام کیا ہے ؟ ۔ یورپ جو خود کو عورتوں کے حقوق کا " علمبردار " " چیمپین " کہلاتا ہے ، لیکن ہم یہاں پر مغرب کے مفکرین ، دانشواروں ، ادباء اور شاعروں کے اقوال پر نظر دوڑاتے ہیں۔ کہ ان کی نظر میں عورت کا مقام ومرتبہ حیثیت کیا ہے ؟ ۔ مشہور شاعر ہومر ۸۵۰ برس ق م) " عورتوں کو ناقابل اعتماد جنس خیال کرتا ہے" ۔ ارسطو ۳۲۲ تا ۳۸۴ ق م ۔ کے نزدیک" عورت ایک گھٹیا قسم کا مرد ہے" ۔ ورجل پیدائش ۷۰ ق م ۔ عورت کو بدل جانے والی جنس سمجھتا ہے ۔ ولیم شکسپیئر (اصل نام ایڈوڈ ڈی ویری) 604 - 1550ء کے نزدیک" اخلاقی کمزوری کا نام عورت ہے" ۔ میلٹن عورت کو " حسین عیب" کہتا ہے ۔ اور" پوپ کے نزدیک عورت دل میں ہمیشہ آوارہ رہتی ہے" ۔ یہ تو ہم نے مغرب کے اہم شعبوں کے چیدہ چیدہ افراد کے اقوال پیش کیے ۔ کہ ان کے نزدیک عورت کا مقام کیا ہے ؟ اب مغرب والے ہم پر چیختے چلاتے ہیں کہ عورت پر اسلام ظلم کرتا ہے اور اس

کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ بہت خراب ہے۔ اور عورت پر اسلام میں اور خصوصاً مشرق میں بہت زیادہ ظلم ہوتا ہے۔ حالانکہ بات بالکل بالعکس ہے۔ عورت کو جس بلندیوں کے مقام پر اسلام اور مشرق نے پہنچایا ہے اس کا مغرب والے تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کیونکہ انہوں نے تو عورت کو انسانیت سے بھی نیچے فحاشی اور بے حیائی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا ہے۔ عورت مغرب میں محض ایک" خوشنما اور خوبصورت سٹیکر" ہے۔

ع بے چاروں کے عصاب پر عورت ہے سوار

جس کے استعمال اور تصویر سے پروڈیک اور پیداوار نکالنے میں فائدہ ہوتا ہے۔ یا پھر انسانی ہوس کا ایک عارضی" کھلونا" ہے۔ اس کے علاوہ مغرب میں عورت کے دیگر رشتوں اور اس کے ساتھ انسانی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں۔ موجودہ حال تک عورت کو پہنچانے میں اٹھارویں صدی کے صنعتی انقلاب اور فرانس کے انقلاب کا کافی عمل دخل ہے۔ یورپ کے صنعتی انقلاب نے عورت کو گھروں سے باہر نکالنے پر مجبور کیا اور مادیت کے حصول کی خاطر عورت اپنے جنت نما گھر، ممتا کے رشتے اور وفاشعار بیوی کی ساری عظمتوں کو چھوڑ کر مشینوں، چمنیوں اور بازاروں میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ انقلاب فرانس نے مزید اس کی بگاڑ کی۔ اور مغرب کی عورتوں میں حقوق کے نام پر بدچلنی، فحاشی، مادر پدر آزادی پیدا کی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب نے عورت کا رہا سہا بھرم بھی نکال دیا۔ ملاحظہ ہوں یورپ کے چند ترقی یافتہ ادیبوں کی نگارشات (مسز الزبتھ سگانٹن):- "شادی عورت کو ذلیل کرتی ہے"۔ چارلٹ گلیمن:- " مرد اور عورت کے غیر منظم جنسی تعلقات کو ہم بدکرداری نہیں سمجھتے"۔ مسز فلورنس دائز:" بہت سی غیر شادی شدہ عورتیں بچوں کیلئے خواہش رکھتی ہیں ان کی ممتا کے اظہار و تسکین کیلئے موقعہ فراہم ہونا چاہئیے"

مشرق اور مغرب کا تضاد اسلام اور عیسائیت:-

مشرق اور مغرب میں صدیوں قبل جو خلیج قائم ہوئی تھی یہودیوں کے مسلسل پے درپے سازشوں نے اس کو موجودہ صدی میں اور زیادہ وسیع کردیا ہے۔ اور اب دونوں کے درمیان خلیج کے بجائے ایک بحر بیکراں پیدا ہوگیا ہے۔ مغرب اسلام اور مشرق کے بارے میں کافی متشدد ہوگیا ہے۔ اور بہت سے واقعات نے دونوں کے درمیان بعد المشرقین پیدا کردیاہے۔ مشرق و مغرب میں مذہب، سیاست، مفادات، تجارت، معاشی برتری اور عسکریت اور بیرونی طاقتوں (یہودیوں نے) کافی عمل دخل کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں دنوں کی زندگی ہر شعبے میں نمایاں فرق ہے بلکہ دونوں معاشروں میں تضاد اور اختلاف ہے۔ مثلاً تہذیب، ثقافت، معاشرہ، کلچر، تمدن، اخلاقیات، عادات

روایات ، مذہب ، طرز حکومت ، پارلیمنٹ ، جمہوریت ، تعلیم الغرض ہر چیز میں دونوں کی الگ الگ سوچ ہے ۔ بلکہ اکثر امور میں ایک تصادم کی صورت ہمیں نظر آتی ہے ۔ اس لئے ہی مشہور شاعر کلپنگ (Cliping) نے کافی عرصہ قبل کہہ دیا تھا کہ " مشرق مشرق رہے گا اور مغرب مغرب دونوں کبھی یکجا نہیں ہوسکتے " ۔ اور میرے خیال میں مستقبل بعید میں بھی کوئی قرب اور تعاون اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صورت نہیں نظر آتی ۔ اور موجودہ حالات میں اس کھچاؤ کی تمام تر ذمہ داری عالم عیسائیت اور یورپ پر ہے ۔ آج معاشی ترقی کے علاوہ مغرب کے پاس اور کیا بچا ہے ؟ مادہ اور دولت کے حصول کیلئے انہوں نے ہر چیز دنیا کے بازار میں آکر بیچ دی ۔ انہوں نے اخلاق ، مذہب ، سکون روحانیت ، رشتے ناطے اور معاشرت الغرض ہر چیز پونڈ اور ڈالر کے عوض نیلام کردی ۔ اب مغربی معاشرہ اور عالم عیسائیت ہم سے بھی یہ چاہتا ہے کہ یہ لوگ کیوں اپنے مذہب سے ابتک چمٹے ہوئے ہیں ۔ اور اس فکر میں ہیں کہ اسلام کو کیوں کر ایک " فرسودہ جامد پرانا " مذہب ثابت کریں اور یہ کہ موجودہ وقت میں اسلام زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتا ۔ اور اسلام اور مسلمان کو ایک وحشی ، مذہبی جنونی ، بنیاد پرست ، ثابت کیا جائے ۔ تاکہ دنیا بھر میں عام طور پر اور خصوصاً امریکہ اور یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کو کم کیا جائے ۔ کیونکہ الحمدللہ اسلام یورپ کا دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے ۔ اس باب میں یورپ نے مستشرقین کے ذریعے سے صدیوں کافی کام کیا ۔ اور پھر عیسائی مشنریز نے بھی کافی کوششیں کیں اور اب میڈیا ، مواصلات کے ذریعے سے مسلمانوں کو بنیاد پرستی کی شکل میں پیش کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۔ اور یہ قیاس انہوں نے اپنی ملت پر کیا ہے ۔ جتنا کہ یہ اسلام کے خلاف شوروغل کررہے ہیں اتنا ہی زیادہ اس کے اثرات پھیل رہے ہیں ۔ دین حنیف کے برکات اور روحانیت ، سکون قلب اور حقیقی آسمانی مذہب اور ایک سچے پیغمبر کی تعلیمات اور کردار کی بلندی ، قرآن کریم کی عظمت اور پیشن گوئیاں اور اس کی وسعت و جامعیت اور گہرائی و اندازبیان ہر چیز صحیح ثابت ہورہی ہے ۔ یورپ میں اسلام کی بڑی ضرورت ہے ۔ لیکن یورپ کے ان حالات میں عالم اسلام آج خود بے حس ہے ۔ اسلامی بڑی طاقتیں تو پہلے ہی امریکہ کے چنگل میں پسی ہوئی ہے ۔ اور خود امریکہ " بیچارہ " یہودیوں کے مالی شکنجے میں کسا ہوا ہے ۔ آج عالم اسلام تھوڑے بہت بھی خلوص کے ساتھ اور مسلک اور ذاتی نام ونمود کی پرواہ کیے بغیر کافی کام کرسکتا ہے ۔ چند تنظیمیں اور گنے چنے مخلص افراد اور خصوصاً تبلیغی جماعت وہاں پر اسلام اور قرآن کیلئے مخلصانہ کوششیں کررہی ہیں ۔ تاہم ابھی بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ ہمارے پاکستانی علماء کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ صلاحیتیں دی ہیں لیکن یہ وہاں پر فروعی اختلافات میں الجھ گئے ہیں ۔ مثلاً رفع یدین ، امین بالجہر ،

اسقاط، قراۃ خلف الامام، سماع موتیٰ، یا پھر اکثریت چندہ سکیم والے ہیں۔ اگر کبھی فرصت ہوئی اور کسی نے خواہش کی تو ان پردہ نشینوں کے نام ان کے کارناموں کے ساتھ قارئین " الحق" کیلئے آشکارا کرونگا۔ اور ان کے وارداتوں کے عجیب عجیب واقعات سے بھی قارئین " الحق" کو محظوظ کراؤنگا...... آمدم برسر مطلب

شیخ سعدیؒ نے دعا کی تھی کہ میری زندگی کے ابتدائی تیس سال حصول علم میں گذر جائیں۔ باقی تیس سال دنیاکی سیاحت کی نذر ہوں۔ اور باقی تیس سال تصنیف وتالیف میں بسر ہوں۔ (تحدیث نعمت کے طور پر) الحمدللہ میری زندگی میں تیس سال مکمل ہونے سے پہلے مروجہ تعلیم سے فراغت حاصل ہوگئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت دنیا کی سیاحت بھی کرلی۔ اور پھر " الحق" کے انہی صفحات پر تھوڑی بہت خامہ فرسائی بھی شروع کردی اور تدریس بھی اور قومی اخبارات میں کالم نگاری بھی۔ (الحمدللہ علی کل نعمۃ)

اپنے اس مختصر عرصہ حیات میں بے شمار مقامات دیکھے، اور نگر نگر کی خاک اڑائی، کبھی ادھر ڈوبے ادھر نکلے اور کبھی ادھر غروب ہوکر ادھر طلوع ہوئے۔ اور یوں متعدد ممالک اور براعظموں کی سرحدوں کو" شتابی" کے ساتھ پھلانگ گیا۔

عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام اس زمین وآسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

ہر منزل اور ہر رہ گزر اور ہر دشت صحرا میں اپنے ساتھ یادوں کے قافلے ہاتھ تھامتے چلے گئے۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ ساتھ آتے آگئے اور کارواں بنتا گیا۔

راقم نے قارئین " الحق" کو اس چھوٹے سے سلسلہ " ذوق پرواز" (سفرنامہ) میں اس بے پایاں و وسیع وعریض کائنات کی چند منزلوں کی سیر اور چند خوشگوار یادوں اور مشاہدات کے " درشن" اور نظارے کرانے کی سعی کی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس طویل خامہ فرسائی اور میری صحرانوردی سے آپ نے کیا تاثر لیا ہوگا۔ اس سے کوئی غرض اور سروکار نہیں۔ غالب نے اسے ہی موقعہ پر کہا تھا؛

نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا نہ سہی گر میرے اشعار میں معنیٰ نہ سہی

یہ تو میرے چند دوستوں کا پرزور اصرار تھا کہ روداد سفر لکھوں۔ توان کی تعمیل حکم کی اور یہ سفرنامہ اس درویش بے گلیم کا حقیر سا تحفہ ہے۔ ع برگ سبز است تحفہ درویش

مجھے اس سفر سے انتہائی فائدہ ہوا اور صرف سیر وتماشا پر اکتفا نہیں کیا

ع ہوس سیر وتماشا سو وہ کم ہے ہم کو

بلکہ دل ودماغ کی دنیا پر نئی دنیا کے کئی نقوش ابھرے اور اپنے محدود علم میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اور بے شمار تجربات حاصل ہوئے۔ ان گنت تہذیبوں کو کتابوں سے نکل کر اپنی آنکھوں سے دیکھا " لیس الخبر و کالمعاینۃ " خدا کی خوبصورت بنائی ہوئی دنیا دیکھی۔ سیروفی الارض کی عملی تفسیر کا مشاہدہ کیا۔ الغرض اپنے زیست کے ابتدائی سفر میں ان اسفار نے آئندہ زمانے کے لئے بہت سے بند دروازے وا کردئیے۔ اور پھر اس کے بعد علاج تنگی داماں کی شکایت نہ رہی۔ یہ سب کچھ اس آوارگی اور صحرانوردی کی بدولت ہی حاصل کر سکا۔

کس کو سنائیں حال دل زار اے ادا　　　آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ ابھی اپنی دشت نوردی وصحرا پیمائی اور جنون شوق کو آسودگی نہیں ملی۔ اور نہ ہی کوئی ٹھکانہ۔

یہاں تنگیٔ قفس ہے وہاں فکر آشیانہ　　　نہ یہاں میرا ٹھکانہ نہ وہاں میرا ٹھکانہ

جادۂ صحرائے جنوں کو پاؤں اور ابلوں کے ساتھ طے کیا۔ جب پاؤں بھی ٹوٹ گئے تب طلب شوق میں پلکوں سے کام لیا۔اور جب یہ بھی کارگر ثابت نہ ہوئیں اور چورچور ہوگئیں تو تب کئی فاصلے اور منزلیں دل کی دھڑکنوں سے قطع کیے۔ لیکن ساتھ میں یہ خوف بھی دامن گیر ہے کہ شاید منزل ملے بھی نہیں۔میرے طرح بہت سے لاچار پہلے ہی اس آرزو میں گذر گئے اور باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

تھک تھک کے ہر مقام پر دوچار رہ گئے　　　تیرا پتہ نہ پائیں تو لاچار کیا کریں

عجائبات عالم میں سے یہ بھی ہے کہ ایک ناتجربہ کار وکمزور وحشت پسند مسافر آفاقی کو یہ کائنات اپنے جنون کے لئے کم پڑ گئی۔ غالب نے کسطرح ہم جیسے مجنونوں کی خوب ترجمانی کی ہے۔ یقیناً اس شاعر حقیقت پسند کو بھی اپنی وحشت کیلئے اسی طرح شکایت تنگی زمان ومکان رہی۔

وحشت کو میری عرصہ آفاق تنگ تھا　　　دریا زمین کو عرق انفعال ہے

جب بھی کسی منزل تک پہنچنے یا سر کرنے کی نوبت قریب آتی ہے تو خوگر پرواز طبعیت یک گونہ افسردہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ میں تو لیلائے ذوق طلب کا مستانہ ودیوانہ ہوں۔ اور اپنا نصب العین تو پلٹنا، پھرنا، طلب کرنا ہی ہے۔　　　ع　ایک نئی منزل نظر آتی ہے ہر منزل کے بعد

حضرت جگر مرحوم کے خوبصورت اشعار جو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی طرح مجھے بھی بہت پسند ہیں۔

جز ذوق طلب جز شوق سفر کچھ اور ہمیں منظور نہیں

اے عشق بتا اب کیا ہوگا کہتے ہیں کہ منزل دور نہیں

دیکھئیے ایک مدت سے کمر کھولے ہوئے یہاں گاؤں کے ایک گوشے میں پڑا ہوا ہوں، اور جنوں کی حکایت لکھتے لکھتے تھک گیا ہوں۔

بیکاریٔ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی؟

اور ان پاؤں کے آبلوں کی پیاس اب دیکھی نہیں جاتی، اس لئے کسی پرخار وادی کی تلاش ہے۔ جس میں ان کو پھوڑ سکوں۔ اور یوں جو مدتوں سے کانٹوں کا کام ودھن تشنہ لبی سے شکوۃ سنج ہے وہ تر ہوجائیں۔ دیکھئے غالب نے بھی ایسی ہی خواہش کی تھی حافظہ میں محفوظ ان کے ایک شعر نے اُب انگڑائی لے لی ہے تو نذر قارئین ہے:

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب ایک آبلہ پا وادی پرخار میں آئے

مجھ سا سیماب صفت اور پارہ کی طرح" متحرک بلا ارادہ " کون ہوگا؟ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سینے میں کسی نے دل کی بجائے پارہ بھر دیا ہے۔ اور روح کے ساتھ سوزوساز وورد وداغ داغ نے برسوں قبل میرے لیے ہی یہ شعر کہا تھا۔

شرروبرق نہیں شعلہ وسیماب نہیں ٹھہرتا کس لیے پھر یہ دل بے تاب نہیں

دیکھئیے اب کب مشیت ایزدی ہمیں پابرےکاب کراتی ہے۔ اور کس نگر کے سمت میں اپنا کجاوا روانہ ہوتا ہے۔ کونسا جرس فریاد کرتا ہے۔ اور ہاتف غیبی ہمیں کس دیار کی خاک اڑانے پر امادہ کرتی ہے۔ اور کون سا مقصد ہمیں اس کشاکش غم دوراں سے دور لے جاتاہے

انگلستان، سکاٹ لینڈ، بلجیم، ہالینڈ، فرانس کو تو خوب ٹٹول کر دیکھ لیا۔ ساتھ میں اسلامی ممالک بھی دیکھ لئے، انشاء اللہ آئندہ کبھی فرصت ملی تو اسلامی ممالک کی بھی روداد سفر مشاہدات وغیرہ ضرور لکھوں گا۔ اگر زندگی کی چند صبحیں اور چند شامیں اپنے پیمانہ عمر میں میسر آئیں تو حجاز مقدس، مصر، ایران، افغانستان، متحدہ عرب امارات، ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک کا سفرنامہ بھی لکھونگا۔

مجھے دوران سفر ہر قسم کے خوشگوار وناخوشگوار واقعات سے قدم بہ قدم واسطہ پڑتا رہا، کئی واقعات تو سپرد قرطاس کردیے اور بہت سے نہ لکھ سکا

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی خوف" فساد خلق" سے ناگفتہ رہ گئے

اور بہت سے ابھی باقی ہیں کیونکہ وسعت دل بہت ہے لیکن وسعت صحرا کم ہے، اور یہ ذوق پرواز اِن کا تحمل نہیں کرسکتا۔ اس کیلئے ابھی اپنی زیر ترتیب خودنوشت کا انتظار کیجئے، کیونکہ

بقدر شوق نہیں ظرف تنگ ہائے غزل کچھ اور چاہئیے وسعت میرے بیاں کیلئے

اور بے شمار کو سینے میں دفن کردیا۔

صرف ایک دلچسپ واقعہ سن لیں ، اس بار بھی ماضی کی طرح کئی مخلص اور کرم فرما احباب نے نہایت سنجیدگی اور" ہمدردی " جتاتے ہوئے یہ پیشکش کی کہ کیوں نہ دیار غیر اور حوران فرنگ کے دیس میں آپکی خانہ آبادی کی فکر کی جائے اور کئی دوستوں نے " پیغام خطبہ " کی تیاریاں بھی ازخود کرلی تھیں ۔ کہ بس یہیں پر آپکی " جائے سکونت " اور " قرارگاہ " بنائی دی جائے ۔ شادی کیساتھ روزگار بھی میسر آئے گا ۔ یعنی " ہم خرما ہم ثواب " کہ تمھارے ذمہ صرف ایجاب وقبول کی ذمہ داری ہوگی ۔ اب میں ان غم خواروں اور کرم فرماؤں سے ۔بجز اس کے کیا کہتا ۔

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا زخم کے بڑھنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا

اور جو شاہین ہندوپاک اور بازار مصر میں کسی کے دام زرین میں نہیں پھسا ۔ اور وہ حوران فرنگ تو کیا فی الحال حوران خلد سے بھی عقد کی فراغت نہیں رکھتا ۔ بھلا وہ اس زمستانی فضاء میں پھیلے ہوئے " گل وسبزہ " سے کیا تعارض کرے گا ۔ ع کہ مجھے دماغ نہیں خندہائے بیجا کا

بہرحال میں نے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ۔ کہ فی الحال پڑھنے اور پڑھانے اور صحافتی مصروفیات میں اتنا الجھا ہوا ہوں اور کیوں میری آزادی کو خطرہ میں ڈالتے ہو ۔ اور کیوں فارغ البالی سبک سری ، آزادی ، رنج ملال سے دوچار کراتے ہو ، اور یوں بھی قدرے آرام سے زندگی گذر رہی ہے ۔ کیوں ہنگامہ برپا کرنے پر تلے ہوئے ہو ۔ اسی ہنگامے پر موقوف تو نہیں زندگی اور گھر کی رونق ۔ ع اور بھی دکھ ہے زمانے میں ..... اور پھر

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں گوشے میں قفس کہ مجھے آرام بہت ہے

یقیناً یہ فرض بھی پورا کروں گا اور فمن رغب عن سنتی الخ کے وعید کا کیونکر مرتکب بنوں

اور ضرور اس راہ اور دشت وصحرا سے بھی گزر ہوگا ۔ اور سوئے دار سے قبل کوئے یار بھی جاونگا ۔اور اس دشت کے بگولے کو اگر چند گھڑیاں دم لینے کا وقت میّسر آیا اور اگر مشغلہ لوح وقلم اور چند اہم مقاصد نے اس کی تھوڑی بھی فرصت دی ، تو

میں بھی تجھے بتاؤں کہ مجنون نے کیا کیا فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے ؟

ابھی کجاو محمل کے سایہ میں دم لینے کا وقت نہیں آیا ابھی تو اس کڑی دھوپ کے مسافر کو کئی سفر درپیش ہیں بشرطیکہ راہ شوق میں کوئی لغزش پا صادر نہ ہوجائے ورنہ پھر

صرف اک قدم اٹھا تھا غلط راہ شوق میں منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

یورپ کے سفر کا خلاصہ یہ کہ یورپ میں سوائے انسانی اخلاقی، قدروں کی پامالی ظاہری زرق وبرق، آزادی نسواں کے ڈھونگ اور سگ پرستی، مادہ پرستی اور نفسانفسی کے اور کیا ہے؟ اگر چہ ان کے بعض صفات قابل رشک بھی ہیں۔ لیکن ان کے معائب کا پلہ ان پر بھاری ہے۔ بہرحال اس بزم پریشاں کچھ بھی نہیں سوائے اس کے

فتنہ، فساد، رشک، تغافل، غرور، ناز اس کے سوائے ہے اور تیری انجمن میں کیا؟

یورپ دو دفعہ دیکھ لیا اور یہ تاثرات بھی میرے ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۶ء کے تھے۔ یہ میں نے ذہن کے حافظہ کی ڈائری سے نکال کر آپکی نذر کیے۔ یورپ میں زیادہ عرصہ اسلیے نہیں رہا کہ وہ ویرانہ میرے جنوں کو سنبھال نہیں سکتا تھا۔

فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں میرے جنوں کو سنبھالے اگر یہ ویرانہ

سفر کے اختتام پر

تا عمر ڈھونڈتا رہا منزل میں۔۔۔۔ انجام یہ کہ گرد سفر لے کے آگیا

ماخذ ومصادر

القرآن الکریم صحاح ستہ حواشی غبار خاطر ۔ مالک رام (عبدالعزیز)
تاریخ دعوت وعزیمت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ مغرب سے چند صاف صاف باتیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دائرۃ المعارف الاسلامیہ (لاہور)۔ دنیا کی سو عظیم کتابیں۔ ستار طاہر۔ سو عظیم آدمی۔ مائیکل ہارٹ۔ ترجمہ عاصم بٹ۔ اسلامی روایات کا تحفظ۔ پروفیسر جمیل واسطی۔ عالمی معلومات۔ سو برس قبل کا سفرنامہ یورپ۔ منشی محبوب عالم۔ سفرنامہ انگلستان۔ علی سفیان آفاقی۔ پیرس وپارس۔ ثریا حسن۔ عالم اسلام کی صورت حال۔ اسرار عالم۔ المنجد۔ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر مولانا تقی امینی بین الاقوامی تعلقات۔ ایس ایم شاہد۔ نپولین کی خود نوشت۔ میری جدوجہد۔ ہٹلر۔ بوسنیا پر یلغار۔ آصف نثار عثمانی۔ دیوان غالب۔ کلیات اقبال۔ اردو وفارسی کلیات داغ۔ دیوان حافظ شیرازی۔ کیفیات۔ محمد زکی کیفی۔ نالۂ زار۔ محمد ابراہیم فانی۔ نسخہ ہائے وفا۔ فیض احمد فیض مجموعہ منتخب اشعار (لاہور) دیگر متعدد رسائل وجرائد۔ ترغیبات، نیاز فتح پوری
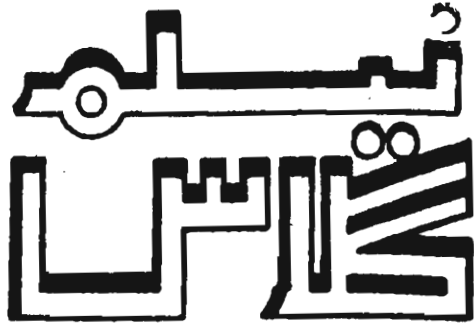
بسلسلہ پچاس سالہ تقریبات آزادی پاکستان

مولانا مفتی عبدالغنی صاحب (بنوں)

سلسلہ نمبر 3

جنگ آزادی میں علماء حق کا کردار

برصغیر اس وقت پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، نیپال اور بھوٹان پانچ ملکوں میں بٹا ہوا ہے۔ نیپال اور بھوٹان کی ہندو ریاستیں ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی ہندوستان سے الگ تھیں۔ انہیں داخلی خود مختاری حاصل تھی اور خارجی امور میں یہ انگریزوں کے ماتحت تھیں، باقی برصغیر جو ہندوستان یا انڈیا کہلاتا تھا براہ راست تاج برطانیہ کے ماتحت تھا۔ برصغیر بلکہ تمام دنیا پر سات سو سال تک اسلامی اقتدار کا پرچم لہرارہا تھا اور یورپ کی منحوس طاغوتی قومیں اس کے سامنے مغلوب اور مرعوب تھیں بلکہ یورپ کا وجود مسلمانوں کی رحم وکرم پر تھا۔ اس کے بالکل برعکس آج دنیا بھر کے مسلمان مرعوب ومغلوب اور یورپ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئے ہیں اور یورپ کا سفید دیو اسلامی ممالک کے گوشت پوست میں اپنے ٹیڑے ناخن گڑوئے ہوئے ہے۔

ایک عرصہ تک تو ترکوں کی تلوار یورپ کے سیلاب کی ناکہ بندی کرتی رہی مگر مثل مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ اب یورپ کو فراہمی دولت نیز جدید سائنس کے تجربات کے نتائج کیلئے تجارتی منڈیوں کی ضرورت تھی۔ قرب وجوار کے ممالک پر ترکی کی عظمت اور جلال کا پرچم لہرا رہا تھا۔ انہوں نے ہندوستان جیسے دوردراز ممالک کیلئے خشکی کے راستے بند کردئیے تھے اور اس صورت سے تجارتی سلسلوں پر اسلامی ممالک ہی قابو پاگئے تھے، تب اہل یورپ نے ان ممالک کے بحری راستے تلاش کرنے کیلئے سمندروں میں گھوڑے دوڑائے۔ خوش قسمتی سے ان کو اولاً امریکہ کا راستہ مل گیا اور ۱۴۹۸ء میں اولاً " واسکوڈاگاما " مشہور پرتگیز کپتان چند ساتھیوں کے ہمراہ ہندوستان کے مغربی ساحل کالی کٹ کی بندرگاہ پر آپہنچا۔ اس کے بعد یورپ کے یاجوج ماجوج ہندوستان میں آنے شروع ہوئے۔

برصغیر میں فرنگی سامراج تاریخ کے آئینے میں:-

ویسے تو ہندوستان پہلے سے بھی مختلف الخیال قوموں کا مسکن تھا۔ یہاں مسلمان، ہندو، سکھ،

بدھ مت، مرہٹی وغیرہ آباد تھے۔ اب یورپ کی چار بڑی بڑی قومیں مثلاً پرتگیز، ولندیز (نیدرلینڈ ہالینڈ یورپ کا ایک ملک ہے) انگریز اور فرانسیسی بھی آگئیں۔ نتیجتاً اس کی آبادی ایسے متعدد اجزاء کی بنی جن کے درمیان باہمی طور پر کوئی ربط وتعلق نہیں تھا۔ کسی ایسے مخلوط معاشرے کی صورت ترکیبی کی بے ثباتی اور اس کے غیر معقول امتزاج کی ناپائیداری جس قدر قطعی اور یقینی ہوتی ہے ان مختلف الاغراض اقوام مشرق ومغرب کی اس مصنوعی اجتماعیت کا دھماکہ خیز تشتت اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ حتمی اور وجوبی تھا۔ اس کے بعد تجارت کے میدان میں مزاحمت کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر سیاسی برتری حاصل کرنے کیلئے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سب سے پہلے پرتگیزیوں اور ولندیزیوں نے ایک دوسرے کو مٹانے کی کوشش کی پرتگریزی ہندوستان کے کئی شہروں مثلاً کوچین، زنجبار، موزبیق، وکناٹور، سقوطرہ، ہرلونا، کولمبو، بمبئی اور لسبن کے جزیروں دکن اور ستارا میں اپنی بلندوبالا کوٹھیاں بناچکے تھے اس کے علاوہ ہندوستان کے جنوبی سمندروں پر بھی ان کی اجارہ داری قائم ہوچکی تھی، ان کی زیادہ سودمند اور نفع بخش تجارت ریاست "وجے نگر" کے ساتھ تھی۔ ۱۵۶۵ء میں جب مغل بادشاہ اکبر اعظم نے وجے نگر پر قبضہ کرلیا تو ان کی تجارت کو سخت نقصان پہنچا۔ ان کے حریف ولندیزیوں نے ان کو بحرھند سے بھی نکال دیا اس طرح سے ہندوستانی تجارت اور متوقع سلطنت پرتگیزیوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ ولندیزی دراصل ہندوستان میں گرم مصالحہ پیدا کرنے والے جزائر پر قبضہ کرنا چاہتے تھے جس کی یورپ میں بڑی مانگ تھی۔ ان کی تجارتی کوٹھیاں دریائے ہگلی کے کنارے چنسرا کے مقام پر تھیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں ان کی تجارت زوروں پر تھی مگر وہ انگریزوں کا قبضہ ہوجانے کے بعد ولندیزیوں کی تجارت ہندوستان سے ختم ہوگئی۔ وہاں صرف گوا کا علاقہ ان کے پاس رہ گیا جو تقسیم ہند کے کچھ مدت بعد تجارت میں ضم کرلیا گیا۔ اب میدان میں انگریز فرانسیسی اور چند ایک غیور اور خوددار مسلمان مقامی رہ گئے جن کو مٹایا تو جاسکتا ہے مگر جھکایا نہیں جاسکتا تھا۔ برطانیہ اور فرانس جیسی عالمی طاقتیں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی پشت پناہی کررہے تھے۔ ہر ایک کو ہندوستان کے بلاشرکت غیر اقتدار تک پہنچنے کیلئے اپنے مغربی حریف اور ملی دعویداروں کو زیر کرنا ضروری تھا۔

۱۷۴۴ء میں یورپ میں اسٹریا کی تحت نشینی کی جنگ شروع ہوئی تو ہندوستان میں بھی انگریز اور فرانسیسی ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ یہ جنگ تاریخ میں کرناٹک کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۷۴۸ء میں جب یورپ میں جنگ بندی ہوئی تو ہندوستان میں بھی جنگ بندی کردی گئی، اور معاہدہ اکس لاشیپل کے تحت فریقین نے ایک دوسرے کے قبضہ شدہ علاقے واپس کردیئے۔

میدان جنگ میں براہ راست آنے کی بجائے دونوں غیر ملکی گروہوں نے مقامی حکمرانوں کے باہمی نزاع کی آڑ میں ایک دوسرے پر بالواسطہ حملے کرنے کی کوشش کررہے تھے تاکہ جہاں خود انہی کے درمیان زور آزمائی ہوتی رہے، وہاں دونوں کا مشترکہ دشمن ریاستوں کی طاقت بھی صرف ہوتی رہیں۔ چنانچہ کرناٹک کی دوسری لڑائی اسی مصلحت اندیشی کی عملی صورت تھی، جو ۱۷۵۵ء کے اس زبانی معاہدے پر ختم ہوئی۔ کہ آئندہ کیلئے دونوں کمپنیاں برصغیر کے داخلی معاہدات میں دخل اندازہ نہیں کرینگی۔ انگریز اور فرانسیسی ان تمام علاقوں سے بھی دستبردار ہوگئے جو اس جنگ میں ان کے ہاتھوں لگ گئے تھے اس معاہدہ کا فائدہ انگریزوں کو ہوا۔ بقول ڈوپلے: ہندوستان میں فرانسیسی مقبوضات کے گورنر جو اسی جنگ کے دوران فرانس بلا گئے تھے اور اس کی جگہ کو ڈھوکونیا، کونیا گورنر نامزد کیا گیا۔ فرانسیسیوں نے جو کچھ اس وقت تک حاصل کیا تھا گورنر صاحب نے ان سب پر پانی پھیر دیا اور ملک وقوم کی تباہی اور توہین کے معاہدے پر دستخط کئے۔

۱۷۵۶ء یورپ میں ہفت سالہ جنگ شروع ہوگئی جس میں انگریز اور فرانس ایک دوسرے کے حریف تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی ان کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ جو کرناٹک کی تیسری لڑائی کہلاتی ہے۔ ۱۷۶۳ء میں معاہدہ پیرس کی رو سے جب یورپ میں جنگ بندی ہوئی تو ہندوستان میں بھی جنگ بندی کرائی گئی۔ فرانسیسیوں کو ان کے چھینے ہوئے علاقے دوبارہ مل گئے۔ لیکن انگریزوں نے ان پر پابندی لگائی کہ آئندہ وہ کبھی قلعہ بند نہیں ہونگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی پھر کبھی نہ ابھرسکے اور انگریز رفتہ رفتہ تمام ہندوستان پر چھاگئے۔ کرناٹک کی تیسری لڑائی اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی تجارتی کمپنیاں فقط تجارتی کمپنیاں نہیں بلکہ برطانیہ اور فرانس کے ناپاک استعماری عزائم کی تکمیل کے وہ ذیلی ادارے تھے جن کے ذریعے وہ دونوں حکومتیں ہندوستان کو اپنی نوآبادیاتی بنانے کی فکر میں تھیں یہی وجہ تھی کہ وہاں کی سیاسی حالات سے کمپنیاں بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہی تھیں۔

برصغیر اور جزائر عرب کیلئے ایسٹ انڈیا ٹریڈ کمپنی کا تاریخی پس منظر:۔

جب ملکہ الزبتھ برطانیہ کی حکمران بنی تو اس کے دور اقتدار میں مختلف تجارتی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ جن میں سے ایسٹ انڈیا ٹریڈ کمپنی کو اپنے دور رس اثرات کی بدولت سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوگئی۔ یہ کمپنی ۱۶۰۰ء میں جزائر عرب اور ہندوستان سے تجارت کرنے کی غرض سے قائم کی گئی۔ دس پندرہ برس تک اس کمپنی کے تاجر ہندوستان میں اپنے قدم نہ جماسکے۔ ۱۶۱۵ء میں

سرٹامس نامی ایک انگریز مغل فرمانروا جہانگیر کے دربار میں انگلستان کی طرف سے سفیر بن کر آیا۔ اس نے تین سال سرتوڑ کوشش کے بعد کمپنی کیلئے باقاعدہ تجارتی حقوق حاصل کئے۔ ۱۶۳۹ء میں انگریزوں نے چند نگری کے راجہ سے کچھ زمین مول لے کر مدراس شہر کی بنیاد ڈالی، اور وہاں لیسنٹ چارج نامی ایک قلعہ تعمیر کروایا۔ یہ قلعہ سرزمین ہندوستان میں انگریز کی سب سے پہلی ملکیت تھی۔ اس کے بعد ۱۶۹۰ء میں انہوں نے دریائے ہیگل کے کنارے کلکتہ شہر کی بنیاد ڈالی اور اس جگہ اپنے بادشاہ کے نام پر فورٹ ولیم نامی ایک قلعہ بنوایا اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے وہ لوگ جو تجارت کی غرض سے ہندوستان آتے تھے اور مغل فرمانروا جہانگیر نے انہیں غیرملکی مہمان سمجھ کر مراعات دی تھیں۔ وہ تاجر نما لٹیرے اب ان سے ناجائز فائدہ اٹھاکر برصغیر کو برطانوی سامراج کے چنگل میں جکڑھنے کے ناپاک منصوبہ باندھنے لگے۔ انگریزوں کی آمد اور ایسٹ انڈیا ٹریڈ کمپنی کے قیام کے بعد ولندیزیوں (اہل ہالینڈ) نے بھی ہندوستان سے تجارت کرنے کی غرض سے ۱۶۰۶ء میں ایک تجارتی کمپنی قائم کی۔ یورپ کے دوسرے اقوام کی طرح فرانسیسیوں نے بھی فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی۔ اس کے بعد انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان کشمکش شروع ہوگی، بالآخر فرانسیسیوں کو مغلوب کیا گیا۔ فرانسیسیوں کو مغلوب کرنے کے بعد اب صرف اور صرف چند مسلمان ریاستیں باقی تھیں تو انگریزی استعمار کی راہ میں حائل تھیں۔ ۱۷۵۶ء میں نواب سراج الدولہ مرشد آباد میں جو ان دنوں صوبہ بنگالا کا صدر مقام تھا تحت نشین ہوا۔ اس وقت انگریز کلکتہ میں اپنے مشکوک فورٹ ولیم کو مضبوط کررہے تھے۔ نواب صاحب کو ان کی سرگرمیاں مشکوک نظر آئیں۔ اس نے انگریزوں کو قابل اعتراض حرکات سے باز آنے کی تلقین کی مگر وہ اس کی باتوں پر بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ نواب کو ان کی مغروریت پر طیش آیا اور ایک زور دار حملہ کرکے کلکتہ شہر کو اپنے قبضہ میں لے لیا اس کی خبر مدراس پہنچ گئی، تو "ابٹر کلائیو" جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا اعلیٰ افسر تھا۔ بالاتاخیر اپنی فوج لے کر کلکتہ پر حملہ آوار ہوا اور جلد ہی نواب سراج الدولہ کے آدمیوں کو نکالنے کے بعد فورٹ ولیم پر قابض ہوگیا۔ نواب نے اس وقت کی نزاکت کے پیش نظر انگریزوں سے صلح کرلی اور کمپنی کے تمام حقوق واپس لوٹا دیئے۔

نواب صاحب کی یہ کاروائی نہ صرف کمپنی کی استعماری اور استحصالی طبیعت کی تیزی اور حدت کو کند کررہی تھی بلکہ برصغیر میں اس کے وجود تک کیلئے ایک عظیم چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ اب انگریز ملکہ الزبتھ کی حکمت عملی کو بروئے کار لانے لگے۔ انہوں نے ریاست بنگالا کی چند ذمہ

دار اور نواب کی معتمد شخصیتوں کو خریدنے کی کوشش کی اور بالآخر کامیاب ہوگئے ۔ کلائیو تین ہزار سپاہ لے کر کلکتہ سے ستر میل کے فاصلے پر پلاسی کے میدان میں پہنچا ۔ اپنوں اور بیگانوں کی خطرناک سازش سے بے خبر نواب پہلے ہی سے وہاں خیمہ زن تھا ۔ ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو انگریزوں اور نواب کے درمیان پلاسی کی وہ مشہور جنگ ہوئی جس کا شمار برصغیر کی اہم ترین جنگوں میں ہوتا ہے ۔ نواب سراج الدولہ اور اس کی جماعت نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر میر جعفر بنگالی فوج کے سپہ سالا اور اس کی زیر کمان فوج کی عین موقع پر علیحدگی ان کی شکست پر منتج ہوئی ۔ میر جعفر کے بیٹے میرن نے نواب کو قتل کیا، اس طرح سے بنگالا اور سرسبز شاداب علاقہ انگریزوں کی عملداری میں چلاگیا ۔ اس جنگ کے بعد انگریز مورخ برک ایڈمز " قانون تہذیب " میں لکھتا ہے :

(۱) جنگ پلاسی کے بعد بنگالا کا مال غنیمت لندن میں آنا شروع ہوگیا اور اس کا نتیجہ بھی بہت جلدرونما ہوگیا ۔ اتنا بڑا صنعتی انقلاب جس کے اثرات آج دنیا کے گوشے گوشے میں نمایاں ہیں ۔ شاید وجود ہی میں نہ آتا ۔ اگر پلاسی کی لڑائی نہ ہوتی ، کیونکہ ہندوستان کا خزانہ اس کا محرک اور ممدومعاون ہوا ۔

(۲) جب ہندوستان کا خزانہ انگلستان پر امڈنا شروع ہوا اور سرمایہ میں اضافہ ہوا تو ایجادات کی تحریک میں بہت جلد ایک روح پیدا ہوگئی ۔

(۳) جب سے دنیا وجود میں آئی ہے ، شاید روپے سے اتنا منافع حاصل نہیں ہوا جتنا ہندوستان کے مال غنیمت سے ہوا ۔ پچاس برس تک انگلستان کا کوئی مدمقابل نہ تھا ۔

سرولیم ڈگبی لکھتا ہے : پلاسی کی لڑائی سے پہلے جب تک ہندوستان کے خزانے ڈھل ڈھل کر انگلستان نہیں آتے تھے ہمارے ملک کا ستارہ عروج پر نہیں تھا ۔

بقول محمود بنگلوری : یہ حقیقت ہے کہ انگلستان کی صنعتی ترقی بنگال کی بے شمار مال ودولت اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت ہوئی ۔ ۱۷۷۳ء میں کمپنی کے سربراہ نے کرنل چمپن کے زیر قیادت فوج کا ایک دستہ روہیلکھنڈ کی جانب روانہ کیا اور روہیلکھنڈ اودھ کے شمال مغرب میں روہیلے افغانوں کا ایک زرخیز علاقہ تھا ۔ یہاں کے نیک سیرت اور خوددار سردار حافظ رحمت خان کا زور توڑنے کیلئے انگریزوں نے شجاع الدولہ نواب اودھ کی خدمات حاصل کرلیں ۔ انگریزوں اور نواب کی مشترکہ فوجوں نے روہیلکھنڈ پر حملہ کیا ۔ حافظ رحمت خان اور اس کے ساتھیوں نے اس جابرانہ حملے کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود اور نہایت ہی پامردی اور استقلال کے ساتھ

شہید ہوئے ۔ ۱۷۹۸ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر کے اندر انگریزوں کی طاقت کا لوہا منوانے کیلئے " ولزلی" کو انگریزی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کیا ۔ اس نے سامراجی حکومت کی گرفت مضبوط کرنے کیلئے سب سڈی ایری سسٹم کے نام سے ایک اسکیم تیار کی ۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام ریاستوں کے فرمانروا ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کرلے اور کسی ریاست کا کوئی سربراہ کمپنی کی اجازت کے بغیر صلح یا جنگ کا کوئی معاہدہ نہ کرے ۔ نیز تمام ریاستی حکمرانوں کیلئے اپنے دربار میں انگریزی کمپنی کی فوج کا ایک دستہ رکھنا لازمی ہوگا جن کے تمام اخراجات بھی ریاستیں خود ہی برداشت کریں گی ۔ سب سے پہلے حیدرآباد دکن کے نواب نظام نے انگریز کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا اور اسکے بعد بہت سے والیان ریاست نے گورنر ولزلی کی مجوزہ سکیم قبول کی ۔

جنوبی ہند کی ایک ریاست مسیور کے فرمانروا سلطان ٹیپو نے ریاستی خودمختاری کی بنیاد سے خود ہی دستبرداری کی ۔ اس تجویز کو ٹھکراتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا کہ میں تمھاری ذلت آمیز شرائط کو قبول کر کے برطانوی سامراجیت کی غلامی کی طوق اپنے گلے میں ہرگز نہیں ڈال سکتا ۔

گورنر ولزلی یہ سن کر اسکے تن بدن کو آگ لگ گئی اور نہایت سرعت کے ساتھ سلطان ٹیپو کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کیں ۔ ہندوستانی ریاستوں کے حکمران اس باضمیر، غیور انسان کی مدد کرنے کی بجائے برطانوی سامراج کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور اس شیردل مجاہد عظیم پر حملے کرنے کی فکر کرنے لگے ۔ حیدرآباد دکن کے حکمران نظام کے دست راست میر صادق نے نہایت ہی قابل مذمت کردار ادا کیا ۔

میسور پر حملہ کرنے کیلئے انگریزی سامراج نے دوطرف سے پروگرام بنایا ۔ پہلی فوج مدوراس سے جنرل ہیرس کے ماتحت اور دوسری فوج بمبئی سے جنرل سٹورٹ کی قیادت میں روانہ ہوئی ۔ نظام دکن نے بھی اپنی فوج ولزلی کے بھائی آرتھرولزلی کی زیرکمان بھیج دی ۔ سلطان ٹیپو نے پہلے سداسیر کے مقام پر بمبئی والی فوج کا مقابلہ کیا لیکن کامیابی نہ ہوسکی ۔ پھر ملاولی کے قریب مدراس کی فوج سے اس کی جھڑپ ہوئی مگر وہاں بھی قسمت نے ساتھ نہ دیا ۔ دودفعہ ناکامی کے بعد قلعہ میں محصور ہوکر رہنا پڑا ۔ اس نے سلطان ترکی کے پاس اپنا ایلچی بھیجا ، مگر سلطان ترکی نے سلطان ٹیپو کا پیغام کانوں سے تو سنا مگر دل ودماغ میں اسے کوئی جگہ نہ دی ۔ ہر جانب سے مایوس ہوکر حیدرآباد دکن کے نظام کی غیرت کو جھنجھوڑا اور اس کو اس کی ملی ذمہ داریوں کا احساس دلانا چاہا اور کہا کہ

کتنی افسوس کی بات ہے کہ آپ غیر ملکی سامراجیوں سے مل کر مجھے پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جب کہ میں نے اس وقت مادر وطن کی سرزمین کو ان کے منحوس قدموں سے پاک کرنے کیلئے سردھڑکی بازی لگا رکھی ہے۔ مئی ۱۷۹۹ء کو نظام دکن کی فوج مہاراشٹر کی مرہٹہ فوج اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی سامراجی فوج نے قلعہ سرنگاپٹم پر دھاوابول دیا۔ لڑائی کے دوران سلطان ٹیپو کے وفادار ساتھیوں نے انکو دوسرے قلعہ میں تشریف لے جانے کا مشورہ دیا کیونکہ وہ جگہ بالکل محفوظ تھی۔ مگر اس نے مخاطب ہوکر کہا: میرے عزیزوں اور میرے اہل وعیال کی جانیں تم جیسے سرفروش ساتھیوں سے جدا ہوکر کیوں مریں۔ سلطان اور اسکے جانباز ساتھی ایک ایک ہوکر شہید ہوئے اور غیر ملکی دشمنوں سے بڑھ کر ہم وطن بدخواہوں نے اسکی تباہی پر خوشی کا اظہار کیا۔ انگریز مورخ "اینی بسنت" لکھتی ہے: کمپنی والوں کی جنگ سپاھیوں کی جنگ نہ تھی بلکہ تاجروں کی جنگ تھی۔ ہندوستان کو انگلستان نے اپنی تلوار سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ خود ہندوستانیوں کی تلوار سے اور رشوت وسازش، نفاق اور حددرجہ کی دورخی پالیسی پر عمل کرکے اور ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑاکر یہ ملک حاصل ہوا۔

برصغیر میں فرنگی سامراج کے مظالم:۔

فرنگی سامراج نے برصغیر کے لوگوں کے ساتھ وہ مظالم عمل میں لائے جن کو جانوروں کیساتھ بھی کوئی انسان گوارا نہیں کرتا۔ عام لوگوں کی توہین وتذلیل، قتل وغارت، بربادی وہلاکت میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا۔ بیرون ہند ہندوستانیوں کو وحشی، نیم تعلیم یافتہ، جاہل، غیر مہذب وغیرہ مشہور رکھا گیا۔ ان کو غیر قابل حکومت، ناسمجھ، نالائق بتلاکر ناقابل آزادی بتلایا گیا۔ ان کو مذہبی دیوانے، کنگال، لڑاکو دکھلایا گیا۔ ساؤتھ افریقہ، امریکہ، کینڈا، اسٹریلیا، کینیا، مارشیش، نیوزی لینڈ اور دیگر ممالک یوروپیہ میں ہندوستانیوں کو حقوق شہریت سے ممنوع کرایا گیا۔ اس قسم کی بے شمار توہین وتذلیل کی ایسی کاروائیاں ہمیشہ عمل میں لائی گئیں، جن کو معمولی غیرت اور شرافت والا انسان بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا اور جن سے ہر شریف النفس انسان کے دل زخموں سے چورچور ہوگئے تھے۔ (فرنگی سامراج کے مظالم خود انگریز کی بذبانی سنیں)۔

مورخ "کئی" نے اپنی کتاب میں یہ بات لکھی ہے، کہ ایک مقام پر چھ ہزار ہندوستانیوں کا قتل عام ہوا۔ تنہا الہ آباد کے علاقہ میں میں نے اتنے ہندوستانیوں کو مرواڈالا جتنے انگریز مرد و عورت اور بچے بوڑھے ہندوستان بھر میں ۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۸ء کے سارے ہنگاموں میں انقلابیوں کے ہاتھ سے انقلاب کی وجہ سے نہیں مرے۔ (جاری ہے)

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

راشد الحق سمیع
مدرس دارالعلوم حقانیہ

تبصرہ کتب
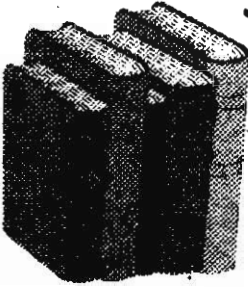
کتاب :- کاروان زندگی (سوانح عمری)
مصنف :- حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
جلد نمبر :- ششم صفحات : 379
ناشر :- مجلس نشریات اسلام (کراچی)

تیرا انداز سخن شانہ زلف الہام تیری رفتار قلم جنبش بال جبرئیل

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بہت زیادہ سوانح عمریاں اور خودنوشتیں لکھی گئیں ہیں۔ جس سے دنیا بھر کے کتب خانے بھرے ہوئیں ہیں۔ لیکن بہت کم سوانح عمریاں ایسی ہیں جو الماریوں اور کتب خانوں کے بجائے دماغوں میں محفوظ ہوتی ہیں۔ انہیں چند گنی چنی سوانح عمریوں میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہ کی شہرہ آفاق اور معرکۃ الآراء کتاب "کاروان زندگی" ہے۔ جو دل ودماغ پر چھا جاتی ہے۔ زیر نظر کتاب بھی حضرت کی سوانح عمری کی چھٹی جلد ہے۔ جس میں حضرت نے اپنی مصروف ترین زندگی کے مہ وسال اور ہمہ گیر ملی وقومی خدمات اور اسفار کی روداد اپنے سحرانگیز گوہرافشاں قلم سے لکھی ہے۔ آپ نے بڑی تفصیل وشرح کیساتھ اپنی سرگذشت زیست بیان فرمائی ہے۔ موجودہ کتاب میں حضرت نے مختلف موضوعات اور زندگی کے تمام شعبوں پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب یوں تو ایک بحر ذخار ہے۔ جس کا ورق ورق دریابہ کوزہ کے مترادف ہے۔ لیکن چند اہم موضوعات یہ ہیں :- عالم اسلام کی حالت زار اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کو درپیش مسائل اور مستقبل کے خطرات سے آگاہی اور پھر وہاں کے عائلی قوانین اور مسلم پرسنل لاء بورڈ جو مسلمانوں کیلئے ہندوستان میں کافی کوششیں کررہا ہے اس کیلئے جدوجہد اور کوششوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ پھر حضرت مدظلہ کی دنیا بھر کے اسفار اور خصوصاً عالم اسلام کے بلادو ممالک اور مسلمانوں کے مختلف حالات درج ہیں، اور پھر کچھ ذاتی اور دوستوں کے حادثات کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح وفیات پر بھی کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ آپکے مختلف مقامات پر کیے گئے مواعظ اور خطبات کے تھوڑے بہت حصے بھی آگئے ہیں۔

جس سے کتاب کی اہمیت اور قدرومنزلت میں مزید اضافہ ہوا ہے ۔ کتاب میں مختلف مقامات پر مفید ترین حواشی اور مختلف کتابوں کے حوالے بھی قارئین کی سہولت کیلئے نہایت فائدہ مند ہیں ۔ کتاب میں عالم اسلام کے مشہور اور شہرہ آفاق علمی اور روحانی مرکز (ندوۃ العلماء) کی کارکردگی اور حالات اور قومی خدمات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔ اس کی ساتھ ساتھ ہندوستان میں علماء اور دانشوروں کی سرگرمیوں سے بھی آگاہی ہوتی ہے ۔ اور ہندوستان کی سیاست اور اس کے اتار چڑھاؤ ، مدوجزر اور مختلف متعصب ہندومذہبی جماعتوں کے رویوں سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے ۔ حضرت علی میاں کی ہرکتاب اور ہر تحریر میں اصلاح امت اور دعوت و تبلیغ اور خودی کا درس ملتا ہے ۔ اور اصحاب دعوت وعزیمت کے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں ۔ اور ہر جگہ اور ہرمقام پر مسلم خوابیدہ کو جھنجھوڑا گیا ہے۔ حضرت مدظلہ کی جملہ کتابیں موجودہ زمانہ میں دنیا کیلئے ایک مستند حوالہ بن چکی ہیں ۔ حضرت کی تحریر اور طرزانشاء ، اندازبیاں انتہائی دل نشین ، سادہ ورنگین ہے ۔ علماء اور خواص کو تو چھوڑیئے عوام کی ایک عظیم اکثریت بھی آپکی کتابوں سے مستفید ہوتی رہتی ہے ۔

ہیں اور بھی دنیامیں سخنور بہت اچھے   کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازبیاں اور

کتاب میں قاری کو عالم اسلام کی بہت سی شخصیات کا تعارف بھی ملتا ہے ۔ اس میں مختلف سیمناروں جلسوں اور اجتماعات کی روداد اور واقعات کا بھی ذکر ہے ۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ عالم اسلام کے اس وقت تن تنہا ایک عظیم سرمایہ ہیں ۔ آپکی شخصیت اور آپکے علم وفن اور تصانیف اور تبلیغی اور تعلیمی مساعی سے برصغیرپاک وہند کے علاوہ عالم عرب اور عالم مغرب بھی متاثر ہے موجودہ وقت میں دنیا کے ایک عظیم حصہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی کتابیں د: کی ہر زبان میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوکر فیضان اور اسلام کی دعوت کو عام کررہی ہیں حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور اہم ترین واقعات آپکی اس چھ مبسوط جلدوں میں محفوظ ہوگئے ہیں موجودہ کتاب بھی انشاء اللہ حسب سابق اپنی اشاعت کے تمام سابقہ روایات برقرار رکھے گی ۔ علماء اور دینی طبقوں اور عالم اسلام کو موجودہ وقت میں حضرت کی ذات اقدس ناز اور فخر ہے ۔ حضرت کی ہر کتاب پر صرف تبصرہ کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے ۔ یہ صفحات اس کے لیے ناکافی ہیں ۔ حضرت علی میاں کی کتاب پر تبصرہ کرنا ایک طالب علم کے بس بات نہیں یہ تو میرے لیے ایک عظیم سعادت ہے ۔ اور

ع   چہ نسبت خاک را باعالم پاک

❀❀❀❀❀❀

Regd. No. P - 90 Monthly " AL HAQ" Akora Khattak